ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

جلد ۴، شمارہ ۱

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان

UNDP
پاکستان

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان، ملک میں اہم ترقیاتی مسائل اور مشکلات پر خیالات کے تبادلہ کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔ اس کے ہر سہ ماہی شمارے میں ترقی سے متعلق ایک موضوع کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے عوامی بحث کی راہ ہموار کی جائے گی اور سول سوسائٹی، تدریسی حلقوں، حکومت اور ترقیاتی پارٹنرز کے مختلف نقطہ نظر پیش کئے جائیں گے۔ اس جریدے کے ذریعے ہونے والی بحث میں نوجوانوں اور خواتین کی آراء شامل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ تجزیوں اور رائے عامہ پر مبنی آرٹیکلز ترقی سے متعلق نئے خیالات پر بحث کو فروغ دیں گے اور اس کے لئے معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ تازہ ترین معلومات بھی پیش کریں گے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

اگنیشیو ارتزا
کنٹری ڈائریکٹر، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ

شکیل احمد
اسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر/ چیف، ڈویلپمنٹ پالیسی یونٹ

عادل منصور
اسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر/ چیف، بحران کی روک تھام اور بحالی یونٹ

عامر گورایہ
اسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر/ چیف، جمہوری طرز حکمرانی یونٹ

امان اللہ خان
اسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر/ چیف انوائرمنٹ اینڈ کلائمیٹ چینج یونٹ

جیمز لٹلٹن
چیف ٹیکنیکل ایڈوائزر، سٹرینتھنگ الیکٹورل اینڈ لجسلیٹو پراسیسز

فاطمہ عنایت
کمیونیکیشنز اینالسٹ

وضاحت

اس جریدے میں شامل ایڈیٹوریل بورڈ کے ارکان یا دیگر بیرونی افراد کی تحریروں میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ضروری نہیں کہ اس ادارے کے خیالات کی عکاسی کرتے ہوں جن کے لئے وہ کام کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی آراء ایک ادارے کی حیثیت سے اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کے خیالات کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ایڈیٹر: ماہین حسن

ڈیزائنر: حسنات احمد

پرنٹر: آغاجی پرنٹرز، اسلام آباد

اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ
چوتھی منزل، سیرینا بزنس کمپلیکس،
خیابان سہروردی، سیکٹر G-5/1،
پی او بکس 1051، اسلام آباد، پاکستان

اپنی تحریریں اور جوابی آراء ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں: pak.communications@undp.org

ISBN: 969-978-8736-17-1

فہرست

مارچ ۲۰۱۷

تجزیے

02 ترقی پر سرمایہ کاری

آراء

10 بہتر زندگیاں
ترقی پر سرمایہ کاری میں سرکاری شعبے کا کردار
جہانزیب خان، نمیرہ حمید

13 قرضے اور قرضوں کے لحاظ سے پاکستان کی پائیدار حیثیت
پروفیسر اعتزاز احمد

16 ترقی پر سرمایہ کاری میں نجی شعبے کا کردار
فزہ فرحان

18 ترقی پر سرمایہ کاری کے جدت آمیز طریقے
روشانے ظفر

21 امداد اور ترقی
ڈاکٹر غلام محی الدین

انٹرویو

26 پیچا موتھوالانگووین
کنٹری ڈائریکٹر
عالمی بینک پاکستان

27 ڈاکٹر ورنرلیپیک
کنٹری ڈائریکٹر
پاکستان ریزیڈنٹ مشن، ایشائی ترقیاتی بینک (اے ڈی بی)

29 قیصر احمد شیخ
رکن قومی اسمبلی

30 ڈاکٹر عابد سلہری
ایگزیکٹو ڈائریکٹر
سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ پالیسی انسٹی ٹیوٹ (ایس ڈی پی آئی)

31 محمد قزلباش
کنٹری ڈائریکٹر
آکسفیم پاکستان

33 ڈاکٹر احسان اللہ خان
صدر، یو این گلوبل کامپیکٹ پاکستان نیٹ ورک (یس این جی ایس پی)
چیئرمین، ورکرز ایمپلائز بائلیٹرل کونسل آف پاکستان (ڈبلیو ای بیسی او پی)

نوجوانوں کی آواز

35 فاطمہ حبیب
35 محمد کریم
35 زارا سلمان
36 فزاء رضا
36 شاہان شاہد
36 سحر کامران
37 ماہا رحمان
37 عتیق الرحمان
37 راویل محی الدین

Follow us

/undppakistan

www.twitter.com/undp_pakistan

www.pk.undp.org

© UNDP Pakistan

اداریہ

پائیدار ترقی کے ایجنڈا پر سرمایہ کاری

2015 میں بین الاقوامی برادری نے عالمی ترقی کے ایک نئے ایجنڈا کے طور پر پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد (ایس ڈی جیز) کی منظوری دی۔ یہ مقاصد ہزاریہ ترقیاتی مقاصد (ایم ڈی جیز) کے مقابلے میں زیادہ جامع ہیں کیونکہ ان میں پائیدار ترقی کے معاشی، سماجی اور ماحولیاتی پہلوؤں کا مکمل طور پر احاطہ کیا گیا ہے۔ ایس ڈی جیز کے حصول کے لئے قابل ذکر وسائل کی ضرورت ہے اور ایک خام اندازے سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا بھر میں ہر سال 5 سے 7 ٹریلین ڈالر کی ضرورت پڑے گی۔ پاکستان کی آبادی اور اس کے ترقیاتی اشاریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے بھی ایس ڈی جیز کے حصول کے لئے بے پناہ وسائل کی ضرورت ہوگی جس کے لئے حکومت، نجی شعبے، بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز اور فلاح عامہ کی مقامی تنظیموں کو مل کر اور باہم مربوط انداز میں کوششیں کرنا ہوں گی۔

پاکستان پہلے ہی ایس ڈی جی ایجنڈا کے حصول پر اپنے پختہ عزم کا اظہار کر چکا ہے۔ قومی اسمبلی ایس ڈی جیز کو ملک کے قومی ترقیاتی مقاصد کے طور پر اپنانے کی منظوری دے چکی ہے۔ منصوبہ سازی اور سرمایہ کاری کے قومی اور علاقائی فریم ورکس کو ان مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ بنایا جا رہا ہے۔ ایس ڈی جیز سے متعلق اخراجات پر نظر رکھنے کے لئے نئے فریم ورکس وضع کئے جا رہے ہیں جبکہ ضلعی سطح پر ایس ڈی جی فریم ورکس پر آزمائشی کام جاری ہے تاکہ بنیادی ترجیحات بالخصوص اچھی صحت اور معیاری تعلیم سے متعلق ترجیحات کو اجاگر کیا جا سکے۔

ایم ڈی جیز پر عملدرآمد میں باضابطہ ترقیاتی امداد (او ڈی اے) کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ ترقیاتی برادری نے ترقی پذیر ملکوں کو اپنی قومی آمدنی کا 0.70 فیصد دینے پر رضامندی ظاہر کی تھی لیکن 2016 میں یہ عطیات محض 0.32 فیصد تک پہنچ پائے تھے۔ پاکستان دنیا بھر میں باضابطہ ترقیاتی امداد وصول کرنے والے دس اولین ملکوں میں شمار ہوتا ہے لیکن اس کی خام قومی آمدنی کے فیصد تناسب کے طور پر باضابطہ ترقیاتی امداد کا حصہ محض 1.3 فیصد رہا۔ توقع ہے کہ نئے ترقیاتی ایجنڈا میں بھی باضابطہ ترقیاتی امداد ایک ناگزیر کردار ادا کرے گی لیکن عالمی امداد پر انحصار سے بات نہیں بنے گی اور یہ پاکستان کو اپنے بلند نظر ترقیاتی مقاصد حاصل کرنے میں مدد نہیں دے گی۔ لہٰذا پالیسی سازوں کے پاس سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ وہ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے ملکی وسائل کو بروئے کار لانے کی کوششیں تیز کریں۔

ملکی وسائل کو بروئے کار لانا زیادہ تر ترقی پذیر ملکوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ حالیہ عرصے میں بعض حوالوں سے بہتری آئی ہے لیکن پاکستان کے جی ڈی پی میں ٹیکسوں کا تناسب صرف 12.6 فیصد ہے جو جنوبی ایشیا میں سب سے کم ہے۔ ٹیکس گزاروں کا یہ تنگ سا حلقہ، وسیع غیر رسمی شعبہ جس پر ٹیکس عائد نہیں لیکن جو 8 ارب ڈالر تک کا اضافی حصہ ملانے کی استعداد رکھتا ہے، جزوی طور پر ٹیکسوں کا حامل زرعی شعبہ جس کا کل ٹیکس وصولیوں میں حصہ صرف ایک فیصد ہے، اور کچھ خاص ٹیکس دہندگان کے ساتھ ترجیحی سلوک جنہیں مخصوص نوعیت کی ٹیکس کٹوتیاں یا استثناء دے دیئے جاتے ہیں، یہ سب چیزیں ریونیوز کو فعال بنانے میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ ان کا ازالہ کرنے سے ریونیو وصولی میں نمایاں اضافہ ہو سکتا ہے اور پاکستان اس قابل ہو سکتا ہے کہ اپنی ترقیاتی سرمایہ کاری میں خود پیش پیش رہ سکے۔

تاریخی اعتبار سے پاکستان کا مالی خسارہ بلند ہی رہا ہے۔ سرکاری قرضوں کے واجبات کی ادائیگی جو اس وقت ریونیو کے 40.4 فیصد کے لگ بھگ پہنچ چکے ہیں، ایس ڈی جیز پر سرمایہ کاری کے لئے اس کی استعداد میں مزید رکاوٹیں پیدا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا پاکستان میں ضرورت اس امر کی ہے کہ نجی شعبے کو اس چیلنج سے نمٹنے کے قابل بنایا جائے اور وہ ایس ڈی جیز کے حصول میں اپنا حصہ ملائے۔ نجی اور سرکاری پارٹنرشپس کے ذریعے نجی شعبہ ضروری بنیادی ڈھانچے اور عوامی خدمات کی فراہمی میں سرمایہ کار بن کر نہ صرف حکومتی کوششوں کو تقویت دے سکتا ہے بلکہ اس سے حکومت پر مالی بوجھ میں اضافہ بھی نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں کاروبار کے ذمہ دارانہ اور پائیدار طریقے اپنا کر نجی شعبہ نہ صرف سب کی شمولیت پر مبنی افزائش، ذرائع معاش پیدا کرنے اور انہیں دیرپا بنانے، غربت میں کمی لانے، ٹیکس پیدا کرنے، ٹیکنالوجی کے میدان میں جدتیں متعارف کرانے اور درآمدات پر انحصار کم کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے بلکہ غیر ملکی کرنسی وغیرہ کو بھی ملک میں لانے کا باعث بن سکتا ہے۔ نجی شعبہ پائیدار ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے غریب دوست مصنوعات اور خدمات بھی فراہم کر سکتا ہے جس کی ایک مثال کم قیمت میں پانی تک رسائی اور شمسی توانائی سے کام کرنے والی لائٹس ہیں یا پھر وہ فلاحی سرگرمیوں اور اپنی کارپوریٹ سماجی ذمہ داری کی صورت میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی ایس ڈی جیز کی ایک بڑی تعداد کے حصول کے لئے سازگار حالات پیدا کرنے میں نجی شعبہ ایک مرکزی کردار ادا کر سکتا ہے۔

جنوب سے جنوب کے درمیان تعاون سے بھی ترقی پذیر اقوام کے درمیان کم خرچ طریقوں کے تبادلے کے ذریعے ترقی پر سرمایہ کاری میں مدد مل سکتی ہے۔ یہ طریقہ باضابطہ ترقیاتی امداد کے روایتی ماڈل سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے والے دونوں ملکوں کا تعلق دنیا کے جنوب سے ہوتا ہے اور اس سے دینے والے اور وصول کرنے والے دونوں ملکوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) ایسی ہی ایک مثال ہے جس کے تحت چین پاکستان میں بنیادی ڈھانچے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے 46 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کر رہا ہے اور دوسری جانب بیک وقت اپنے سٹریٹجک اور معاشی مفادات کو بھی فروغ دے رہا ہے۔
ترقی پر جدت آمیز سرمایہ کاری میں بھی اس قدر استعداد ہے کہ اس کے ذریعے پائیدار ترقی کے مقاصد حاصل کئے جا سکیں۔ سرمائے تک رسائی سے محروم لوگوں کو مالی خدمات فراہم کرتے ہوئے مائیکروفنانس، غربت کے خلاف جنگ میں ایک اہم ہتھیار کا کام دیتا ہے۔ بنگلہ دیش کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں گزشتہ دو دہائیوں کے دوران دیہی غربت میں 10 فیصد (2.5 ملین افراد) تک کمی کا سہرا مائیکروکریڈٹ کو جاتا ہے۔ بنگلہ دیش میں مائیکروفنانس سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد 32 ملین ہے جنہیں سالانہ 7.2 ارب ڈالر دیئے جا رہے ہیں۔ اس کے برعکس صرف 3.6 ملین قرض خواہوں کے ساتھ پاکستان میں مائیکروفنانس کی موجودگی بہت کم ہے۔ مالی خدمات تک بہتر رسائی کئی ایس ڈی جیز کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے جن میں غربت میں کمی کے علاوہ بھوک میں کمی، خوراکی سلامتی، اچھی صحت اور فلاح کا حصول، صفائی ستھرائی اور توانائی بھی شامل ہیں۔ حوصلہ افزاء پالیسی ماحول اور بہتر قواعد و ضوابط مل جائیں تو پاکستان میں مائیکروفنانس کو ریچ کو وسعت دینے کی شاندار استعداد موجود ہے اور یوں ایس ڈی جیز کے حصول پر پیشرفت کے عمل میں بھی تیزی آئے گی۔
ایس ڈی جیز کے لئے جہاں اضافی وسائل درکار ہیں وہیں ان کا موثر استعمال بھی ایس ڈی جیز کے حصول میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بات کا باریک بینی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ موزوں منصوبہ سازی، بجٹ سازی اور ترجیحی شعبوں کے لئے وسائل کی تخصیص اور ایسے جغرافیائی علاقوں کو ہدف بنانے کے اعتبار سے پالیسی ماحول میں کس قدر بہتری لائی جا سکتی ہے جنہیں ترقی کے عمل میں بڑی حد تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے تاکہ اس خواہش کو حقیقت کا روپ دیا جا سکے کہ کوئی بھی پیچھے نہ رہ جائے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھیں تو پاکستان سماجی شعبے کی ترقی کے اخراجات کے لئے برائے نام وسائل مختص کرتا چلا آ رہا ہے مثلاً مالی سال 16-2015 میں تعلیم کے لئے 2.3 فیصد اور صحت کے لئے 0.76 فیصد۔ اسی طرح پلاننگ کمیشن کے کثیر جہتی غربت انڈکس (ایم پی آئی) کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ مجموعی غربت میں جہاں کمی آئی ہے وہیں مختلف اضلاع کے درمیان شدید فرق پایا جاتا ہے۔ ضلعی سطح کے ایم پی آئی کی صورت میں ہمارے پاس قومی اور صوبائی فنانس کمیشنوں پر اثر ڈالنے کا ایک طریقہ میسر آ گیا ہے کہ وہ پسماندہ اضلاع کے لئے وسائل کی تخصیص میں اضافہ کریں۔ گزشتہ دو دہائیوں سے نتائج پر مبنی اور شمولیت پر مبنی بجٹ سازی کا طریقہ دنیا بھر میں اس امر کو یقینی بنانے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے کہ بجٹ میں دیئے گئے فنڈز اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کریں۔ یہ طریقے طرز حکمرانی میں آنے والی تبدیلی کی اس نوعیت کی مثالیں ہیں جو 2030 تک ایس ڈی جیز کے حصول کے لئے ضروری ہے۔

عالمی برادری کو پائیدار ترقی کے ایجنڈا پر سرمایہ لگانے اور اسے اپنانے کے لئے کلی سوچ پر مبنی کوششوں کی ضرورت کا احساس ہو گیا ہے۔ ادیس ابابا ایکشن ایجنڈا (2015) پائیدار ترقی کے ایجنڈا پر عملدرآمد کے لئے بنیاد فراہم کرتا ہے جس میں ترقی پر سرمایہ کاری میں مدد دینے کے لئے 100 سے زائد ٹھوس اقدامات دیئے گئے ہیں جن میں ملکی وسائل کو بروئے کار لانا، نجی سرمایہ کاری کو پائیدار ترقی کے ساتھ ہم آہنگ بنانا، موجودہ وسائل کے موثر استعمال کے لئے سرکاری پالیسیوں اور ریگولیٹری فریم ورکس کو بہتر بنانا شامل ہیں۔ اس میں یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ریاستی اور نجی وسائل کے ذریعے سرمایہ کاری ایس ڈی جیز کے حصول میں کامیابی کی بنیاد ہے۔ ایس ڈی جیز کے حصول کے لئے درکار وسائل کی ضخامت کے پیش نظر یہی وقت ہے کہ پاکستان سرکاری اور غیر سرکاری دونوں شعبوں میں موجود استعداد کو بروئے کار لانے کے لئے ایک کثیر رخی سرمایہ کاری لائحہ عمل تیار کرے۔

ترقی پر سرمایہ کاری

نوٹ: مرکزی تجزیہ ڈاکٹر عشرت حسین نے تیار کیا ہے جو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے سابق گورنر، انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کے سابق ڈین و ڈائریکٹر، مایہ ناز ماہر اقتصادیات اور متعدد کتابوں، مقالہ جات اور آرٹیکلز کے مصنف ہیں۔

عدیس ابابا ایکشن ایجنڈا (اے اے اے اے) ایک جامع سرمایہ کاری فریم ورک مہیا کرتا ہے جس کا مقصد رقوم کے بہاؤ اور پالیسیوں کو معاشی، سماجی و ماحولیاتی ترجیحات سے ہم آہنگ بنانا ہے۔[1] بعد ازاں پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد (ایس ڈی جیز) پر ہونے والے سربراہ اجلاس[2] اور تبدیلی آب وہوا پر پیرس کانفرنس (CoP21)[3] میں ان ترجیحات میں مزید بہتری لائی گئی اور ان کی توثیق کی گئی۔ ایکشن ایجنڈا میں شامل نیا اجتماعی معاہدہ سب کو سماجی تحفظ، ضروری عوامی خدمات اور بنیادی ڈھانچہ فراہم کرے گا۔ ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے سوچ میں ایک تبدیلی یہ بھی آئی ہے کہ اب اس کا محور باضابطہ امداد کے بجائے ملکی وسائل کو بروئے کار لانے کی سرگرمیاں اور نجی شعبہ ہوں گے۔ یہ تبدیلی باضابطہ ترقیاتی امداد میں مسلسل کمی[4]، قرضوں کے بھاری بوجھ اور ضروریات اور دستیاب وسائل کے درمیان بڑھتے خلاء کے پیش نظر ضروری ہوگئی تھی۔

پاکستان کے سیاق وسباق میں ترقی پر سرمایہ کاری کو سمجھنے کے لئے ان تبدیلیوں پر، جو حالیہ عرصے کے دوران بین الاقوامی معاشی میدان میں رونما ہوئی ہیں اور جس طرح اس وقت ملکی پالیسی موقف، طرزحکمرانی کے ڈھانچے اور ادارہ جاتی استعداد پر زور دیا جارہا ہے، ایک وسیع تر بحث ناگزیر ہے۔

پہلی بار ایم ڈی جیز کے اعلان کے وقت 1990 کی دہائی کے اواخر اور 2000 کی دہائی کے اوائل میں جوش وولولے سے بھرپور دنوں کے ساتھ موازنہ کریں تو آج کا بین الاقوامی اقتصادی ماحول زیادہ ناساز گار دکھائی دیتا ہے۔ 2008 کی عالمی کساد بازاری، دنیا بھر میں معاشی سرگرمیوں کی سست روی، پناہ گزینوں اور امیگریشن کے بحران، برطانیہ کا یورپی یونین سے انخلاء اور یورپی یونین پر دباؤ، یہ عوامی فہم کہ جدید ملکوں میں ملازمتیں تجارت کے باعث ختم ہورہی ہیں، یورپ اور امریکہ میں قوم پرستی کے جذبات میں اضافہ، اور معاشی توازن کی چین اور ایشیا کے حق میں منتقلی، یہ تمام باتیں ان ملکوں (امریکہ اور یورپی ممالک) کی سیاسی قیادت کو باقی ماندہ دنیا کے ساتھ عظیم تر انضمام سے دور لے جارہی ہیں اور یوں وہ الگ تھلگ نقطہ نظر اپنانے کی طرف مائل ہورہے ہیں۔

اس ماحول کے پیش نظر پائیدار عالمی ترقی کے بلند نظر، مہنگے اور پیچیدہ مقاصد (ایس ڈی جیز) پر سرمایہ لگانے کے لئے وسائل کی دستیابی ایک بڑی رکاوٹ دکھائی دیتی ہے۔ 2015 میں ترقی پذیر ملکوں کو ملنے والی باضابطہ ترقیاتی امداد کے علاوہ ان میں نجی سرمائے کے بہاؤ میں بھی کمی آئی۔ ترقی پذیر ملکوں کی حریص اور کرپشن کی ماری حکومتوں اور ٹیکس چور اشرافیہ پر سرمایہ لگانے کے بجائے اپنے ملکوں کے غریب اور کم مراعات یافتہ لوگوں کی مدد کے لئے سیاسی دباؤ بڑھ رہے ہیں۔ آئندہ 15 برس میں ایس ڈی جیز پر عملدرآمد کا خرچ کئی ٹریلین ڈالر تک چلا جائے گا اور امریکہ، یورپ اور جاپان کا سیاسی مزاج دوسرے ملکوں کی مدد کے لئے اتنی بڑی رقوم دینے کے حق میں نظر نہیں آتا۔ ٹرمپ انتظامیہ نے غیر ملکی امداد، تبدیلی آب وہوا کی مہم اور گرین کلائمیٹ فنڈ کے لئے 2017 کے بجٹ میں 29 فیصد کٹوتی تجویز کی ہے۔ فرانس، ہالینڈ اور جرمنی میں سروے سرگرمیوں سے یہی نتیجہ اخذ کیا جارہا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کی مدد کے لئے روایتی غیر ملکی امداد کے طریقوں سے دوری کا رجحان پیدا ہورہا ہے۔ فی الوقت اس بات کے امکانات بھی کچھ اتنے زیادہ دکھائی نہیں دیتے کہ تبدیلی آب وہوا پر دسمبر 2015 پر ہونے والی پیرس کانفرنس میں 100 ارب ڈالر کے جو وعدے کئے گئے تھے وہ اتنی آسانی سے پورے ہوجائیں گے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد سے بین الاقوامی تجارت کئی ترقی پذیر اور ابھرتی ہوئی معیشتوں کی افزائش میں قوت محرکہ کا کردار ادا کررہی ہے۔ ان معیشتوں کا حصہ مجموعی طور پر اشیاء و خدمات کی عالمی منڈی کے تقریباً 46 فیصد تک پہنچ گیا۔ عالمی تجارت کی افزائش عالمی پیداوار کی شرح کے مقابلے میں دوگنا رہی لیکن عالمی مالیاتی بحران کے بعد اس رجحان کا زور ٹوٹ گیا ہے اور عالمی برآمدات کا حجم 2009 میں 12 فیصد تک کم ہوگیا جبکہ عالمی جی ڈی پی دو فیصد تک رہ گیا۔ اس وقت سے تجارت، پیداوار میں افزائش کی شرح سے پیچھے یا اس کے مساوی چلی آرہی ہے۔[5] عالمگیریت مخالف، حفاظتی سوچ اور غریب ملکوں سے درآمدات میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے ایجنڈا پر منتخب ہونے والے ترقی یافتہ معیشتوں کے سیاسی لیڈروں کا عروج بین الاقوامی تجارت کے لئے مزید دھچکے کا باعث بنے گا اور سب کی شمولیت پر مبنی افزائش، روزگار اور سماجی تحفظ پر اس سے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

امریکہ، یورپ اور مشرق وسطیٰ میں مقیم تارکین وطن جو ترسیل زر کی شکل میں اپنے آبائی ملکوں کو رقوم بھیجتے ہیں، گزشتہ ایک دہائی کے دوران غریب ملکوں میں سرمایہ کاری کا ایک مستحکم اور افزائش پذیر ذریعہ رہے ہیں۔ بعض مختلف وجوہ کی بناء پر سرمایہ کا یہ ذریعہ بھی شدید بے یقینی کا شکار ہورہا ہے۔ امریکہ میں روزگار سے فائدہ اٹھانے والے ممالک میں میکسیکو اور وسطی امریکی جمہوریائیں نمایاں رہیں۔ غیر قانونی امیگرنٹس کے خلاف کارروائی، میکسیکو اور امریکہ کے درمیان سرحد پر دیوار تعمیر ہونے کے امکانات اور پناہ گزینوں کے داخلے پر سخت کنٹرول، ان سب عوامل نے امریکہ سے باہر ترسیل زر کے تسلسل کے امکانات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ یورپی ممالک میں تو لیڈر بھی اقتصادی پناہ گزینوں کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھولنے میں خاصے محتاط دکھائی دیتے ہیں۔ تیل سے مالا مال متوسط آمدنی والے ممالک پر نظر دوڑائیں تو ریونیوز میں کمی کے ہاتھوں وہ کئی منصوبے ترک کرنے پر مجبور ہوگئے جس سے سمندر پار کارکنوں کی مانگ میں کمی آگئی۔ جنوبی ایشیا کے ممالک پہلے ہی ان رقوم کی کمی کا شکار ہیں جو ان کے باشندے بیرون ملک سے بھیجتے ہیں۔ پاکستان میں ترسیل زر برآمدات سے ہونے والی آمدنی کے تقریباً 80 فیصد کے برابر ہے۔

اگرچہ گزشتہ ایک آدھ دہائی کے دوران براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری میں مسلسل اضافہ ہوا ہے لیکن لگتا ہے کہ اس کا زیادہ تر ارتکاز چین اور بھارت جیسے مستحکم اور امیر ملکوں میں رہا ہے جہاں منافع خاصا پرکشش ہے، مارکیٹ کا حجم بہت بڑا ہے اور قوت خرید بڑھ رہی ہے۔ اس رجحان میں واحد استثنائی مثال چینی سرمایہ کاری کی ہے جس میں کئی دیگر پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھا جارہا ہے جس کی ایک مثال One Belt One Road Initiative ہے۔[6] افریقہ، جنوبی ایشیا اور وسطی ایشیا میں چینی حکومت اور کمپنیوں کی سرمایہ کاری سے بھلے طویل مدت میں سہی لیکن بنیادی ڈھانچے کی تعمیر میں مدد ملے گی۔

1 اقوام متحدہ، ترقی پر سرمایہ کاری کے موضوع پر تیسری بین الاقوامی کانفرنس کا عدیس ابابا ایکشن ایجنڈا۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://sustainabledevelopment.un.org/frameworks/addisababaactionagenda
2 اقوام متحدہ، پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد، جو یہاں سے دستیاب ہیں: http://www.un.org/sustainabledevelopment/
3 تبدیلی آب وہوا پر اقوام متحدہ فریم ورک کنونشن 'تبدیلی آب وہوا پر پیرس کانفرنس 2015'۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://unfccc.int/meetings/paris_nov_2015/meeting/8926.php
4 او ای سی ڈی۔ باضابطہ ترقیاتی امداد۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: data/oecd.org/oda/net-oda.htm
5 ورلڈ ٹریڈ رپورٹ (2013)۔ B. Trends in International Trade۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.wto.org/english/res_e/booksp_e/wtr13-2b_e.pdf
6 سلک روڈ اکنامک اور اکیسویں صدی کی میری ٹائم سلک روڈ جو 'The Belt and Road' کے نام سے بھی مشہور ہے (مخفف بی اینڈ آر)۔ One Belt, One Road (مخفف او بی او آر) یا Belt and Road Initiative ایک ترقیاتی حکمت عملی اور فریم ورک ہے جو چینی رہنما شی جن پنگ نے تجویز کیا ہے جس میں بنیادی طور پر عوامی جمہوریہ چین اور یوریشیا ملکوں کے درمیان رابطے اور تعاون پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے دو بڑے اجزاء ہیں: زمینی "سلک روڈ اکنامک بیلٹ" (ایس آر ای بی) اور سمندری "میری ٹائم سلک روڈ" (ایم ایس آر)۔

یہ تمامتر پیشرفت عدیس ابابا ایکشن ایجنڈا میں اپنائی گئی سوچ کو تقویت دیتی ہے۔ لہٰذا پاکستان کی صورتحال اور ان وسائل کو بروئے کار لانے کے لئے اس کی استعداد اور درپیش رکاوٹوں کا جائزہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔

پاکستان کی صورتحال

ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے پاکستان کی صورتحال کچھ ایسی شاندار نہیں ہے اور میکرو اکنامک اشاریوں میں بھی برائے نام بہتری دیکھنے کو ملتی ہے (جدول 1.1)۔ سرمایہ کاری مقاصد کے لئے اپنی معمولی قومی بچتوں کو مزید بڑھانے کے لئے پاکستان کا انحصار غیر ملکی بچتوں پر رہا ہے اس لئے سرمایہ کاری کی شرح بھارت اور بنگلہ دیش کے مقابلے میں تقریباً نصف کے برابر ہے اور یوں افزائش میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے۔[7] سیاسی عدم استحکام، اس سے جڑی اقتصادی بے یقینی جس کے عالم میں آپ کسی چیز کی پیش بینی نہیں کرسکتے اور ناقص طرز حکمرانی، یہ سب مل کر کئی مواقع پر ملک کو اس نہج پر دھکیل چکے ہیں جہاں یہ مالی و اقتصادی بحرانوں کا شکار ہو گیا اور نتیجتاً بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) سے مدد لینا پڑی۔ ان کی اصطلاح میں پاکستان فنڈز وسائل کا دیرینہ صارف بن چکا ہے۔ ایسے مواقع بھی آئے کہ بحران سے نکالنے کے لئے بھاری مقدار میں کثیر طرفہ قرضوں اور دوطرفہ گرانٹس سے مدد لینا پڑی۔ بیرونی قرضوں کا بوجھ اس حد تک بڑھ گیا کہ 2001 میں پیرس کلب سے رابطہ کرنا پڑا کہ وہ اپنے دوطرفہ بیرونی قرضوں کی ری سٹرکچرنگ اور ری پروفائلنگ کرے۔ 2002 سے 2008 کے دوران قرضوں کے بوجھ میں قابل فہم کمی آئی لیکن اس کے بعد صورتحال ایک بار پھر بگڑ چکی ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان 'مالی ذمہ داری اور قرضوں کی حدود کے قانون' کے تحت دی گئی حدود سے مسلسل تجاوز کر رہا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں آئی ایم ایف سے بھاری رقوم لینے کے علاوہ ایکسٹرنل اکاؤنٹ کے واجبات پورے کرنے کے وسائل پیدا کرنے کے لئے انٹرنیشنل بانڈ اور ایکوئٹی مارکیٹوں کا راستہ بھی اپنایا گیا۔

قرض واجبات پورے کرنے کے بعد پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر میں بڑھوتری کا ایک قوت بخش پہلو نوے لاکھ سے زائد کارکنوں کی طرف سے بھیجی جانے والی رقوم ہیں جن میں سے زیادہ تر خلیجی ریاستوں میں کام کر رہے ہیں۔[8] باضابطہ طریقوں سے ترسیل زر میں آہستہ آہستہ بڑھوتری دیکھنے میں آئی ہے جو ایک وقت پر ایک ارب ڈالر سے بھی کم تھیں اور 2016 میں تقریباً 20 ارب تک پہنچ گئیں۔ برآمدات میں کمی کے رجحان کے پیش نظر سرمایہ کاری کے اس ذریعہ نے ملک کو بیرونی ادائیگیوں کی مشکلات دور کرنے میں مدد دی ہے۔

ایک اور بے ترتیب پہلو عالمی برآمدات کی منڈی میں پاکستان کے حصے کو پہنچنے والا دھچکا ہے۔ عالمی منڈیوں میں بحیثیت مجموعی جوش وخروش رہا ہے لیکن پاکستان کا حصہ 0.15 فیصد سے کم ہو کر 0.12 فیصد پر آگیا ہے جبکہ اس کے مقابل ممالک یعنی بھارت اور بنگلہ دیش کا حصہ دوگنا سے بھی بڑھ گیا ہے۔[9] گزشتہ دہائی کے دوران پاکستان کی برآمدات میں چار فیصد تک افزائش ہوئی ہے۔ اس کے مقابلے میں بنگلہ دیش کے معاملے میں یہ تناسب 12 فیصد اور بھارت میں 10 فیصد رہا ہے اور گزشتہ دو سالوں سے ان ممالک میں کمی کا رجحان چل رہا ہے۔ 2000 کی دہائی کے اوائل میں درآمدات کے لئے 80 فیصد سرمایہ برآمدات سے حاصل کیا جاتا تھا لیکن حالیہ سالوں میں یہ تناسب بھی کم ہو کر 50 فیصد سے نیچے آ گیا ہے۔ جزوی طور پر اس کی ذمہ دار اشیائے ضروریہ کی عالمی قیمتیں ہیں لیکن مسابقتی حیثیت میں کمی نے بھی برآمدات کو نقصان پہنچایا ہے جس کا سبب تعزیری ٹیکس نظام، توانائی کی قلت، کاروبار کرنے میں درپیش مشکلات، بیوروکریسی کی رکاوٹیں، بلند برآمدی ٹیرف اور مختلف حکومتی سطحوں اور محکموں کے درمیان کوآرڈینیشن کا فقدان ہیں۔

جدول 1.1: پاکستان کے میکرو اکنامک اشاریئے

	2013/14	2014/15	2015/16	2016/17
جی ڈی پی میں افزائش	4.1	4.0	4.7	5.0
افراط زر کی شرح (فیصد)	8.6	4.5	2.9	5.2
جی ڈی پی میں سرمایہ کاری کا فیصد تناسب	14.6	15.5	15.2	15.7
جی ڈی پی میں قومی بچتوں کا فیصد تناسب	13.4	14.5	14.3	14.2
جی ڈی پی میں کرنٹ اکاؤنٹ کا فیصد تناسب	(1.3)	(1.0)	(1.1)	(1.5)

ذریعہ: آئی ایم ایف کنٹری رپورٹ نمبر 16/235 اکتوبر 2015

جدول 1.2: مالی رجحانات (جی ڈی پی کا فیصد تناسب)

	2013/2014	2014/2015	2015/2016	2016/2017
کل ریونیو	15.2	14.5	15.9	16.0
ٹیکس ریونیو	10.5	11.0	12.4	12.9
کل اخراجات	20.1	19.7	20.2	19.8
کرنٹ اخراجات	16.4	16.6	15.9	14.9
دفاع	2.5	2.5	2.6	2.3
سود	4.6	4.7	4.4	3.6
سب سڈیز	1.3	1.0	0.7	0.5
ترقی	4.0	3.8	4.3	4.7
مجموعی مالی خسارہ	-4.9	-5.2	-4.3	-3.8

ذریعہ: آئی ایم ایف کنٹری رپورٹ نمبر 16/235، اکتوبر 2016

سرکاری شعبہ

مالی رجحانات (جدول 1.2) سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مالی پالیسی سب کی شمولیت پر مبنی افزائش، ایکوئٹی، سماجی تحفظ یا ماحولیاتی پائیداری کے مقاصد پورے کرنے میں مددگار نہیں رہی۔ یہ زیادہ تر قلیل مدتی بحرانوں سے نمٹنے کی کوششوں کے زیر اثر رہی ہے کیونکہ معاشی منتظمین کو متواتر بلند مالی خسارے کا سامنا رہا اور اس خسارے کو پورا کرنے کے لئے وسائل تلاش کرنا مجبوری تھی۔ ماسوائے 2002 سے 2008 کے سالوں کے، جب مالی خسارہ نیچے آگیا اور جی ڈی پی میں قرضوں کا تناسب تقریباً نصف تک کم ہو گیا، بھاری خسارے کے نتیجے میں اندرونی اور بیرونی سرکاری قرضے بڑھتے چلے گئے ہیں۔ نتیجتاً ٹیکس ریونیوز کا تقریباً 34 فیصد قرض واجبات کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا ہے اور ساری رقوم جو ترقیاتی اخراجات کے لئے مختص کی جاتیں، وہ ادھر ادھر ہو جاتی ہیں۔ 2007-08 میں انتخابی سال کے محرکین کی وجہ سے بیرونی دھچکے کا

---

7 بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کنٹری رپورٹ نمبر 16/235، اکتوبر 2016۔

8 دلیپ راتھا، Workers' Remittances: An Important and Stable Source of External Development Finance۔ اکنامکس سیمینار سیریز 2005۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://siteresources.worldbank.org/INTRGDF/Resources/GDF2003-Chapter7.pdf

9 یو این سی ٹی اے ڈی ٹریڈ اینڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ (2016)۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://unctad.org/en/PublicationsLibrary/tdr2016_en.pdf

جدول 1.3: صوبوں کو رقوم کی منتقلی

	منافع کے پول سے	براہ راست رقوم کی منتقلی، گرانٹس	(ارب روپے) ٹوٹل	ایف بی آر کے ٹیکس ریونیو کا فیصد تناسب
نویں این ایف سی ایوارڈ سے پہلے				
2008/2009	559	73	632	53.5
2009/2010	655	98	753	50.4
نویں این ایف سی ایوارڈ کے بعد				
2010/2011	835	217	1052	67.1
2011/2012	1065	226	1291	66.6
2012/2013	1134	161	1295	65.1
2013/2014	1278	186	1464	64.7
2014/2015	1581	172	1753	64.8
2015/2016	1752	165	1917	61.6
2016/2017	2044	93	2137	59.0

ذریعہ: وزارت خزانہ، پاکستان، بجٹ ان بریف، 2009 تا 2016

موزوں جواب نہ دیا جاسکا اور تیل اور دیگر اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں چار سے پانچ گنا اضافہ اصل صارفین کو منتقل نہ کیا گیا۔ حکومت کو قیمتوں کا فرق پورا کرنے کے لئے سب سڈیز بڑھانا پڑیں جس سے مالیاتی بحران پیدا ہوگیا۔ اگلی حکومت کو بحران سے نمٹنے کے مالی وسائل حاصل کرنے کے لئے آئی ایم ایف سے رابطہ کرنا پڑا۔ ایسی ہی صورتحال 13-2012 میں سامنے آئی اور موجودہ حکومت کو ایک بار پھر آئی ایم ایف کے ساتھ استحکام کے تین سالہ پروگرام کا معاہدہ کرنا پڑا۔ آئی ایم ایف پروگرام کے سہ ماہی اہداف پورے کرنے کے لئے کسی بھی طریقے سے ٹیکس ریونیو وصولی سب سے پہلا کام بن گئی۔ اس یک نکاتی ایجنڈا نے سرمایہ کاری اور کاروبار کے ماحول کو مسخ کر دیا کیونکہ جو بھی رسمی شعبے اور ٹیکس دائرے میں آتا تھا اسے نچوڑا گیا تاکہ وصولی کے اہداف پورے کئے جاسکیں۔ ری فنڈ روک لئے گئے، پیشگی ٹیکس واگذار کئے گئے، جرمانے عائد کئے گئے اور ریٹس بڑھا دیئے گئے۔ زیر گردش کرنسی کے پھیلاؤ اور غیر منظم شعبے میں بڑھتے روزگار سے 'غیر رسمی' میدان کی طرف اڑان کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو ٹیکس وصول کئے گئے ان میں سے زیادہ تر بالواسطہ ٹیکس تھے جن میں انکم ٹیکس قانون کے تحت ودہولڈ (Withhold) کیا جانے والا ٹیکس بھی شامل تھا۔ احتمالی اور ودہولڈنگ ٹیکسوں کی شکل میں بالواسطہ ٹیکس نہ صرف رجعت پسندانہ اور غیر مساویانہ ہیں بلکہ یہ بے نتیجہ بھی ہیں۔ تاجروں اور ریٹیلرز کو ٹھنڈا کرنے کے لئے متعارف کرائی جانے والی ایمنسٹی سکیمیں ٹیکس بنیاد میں شمولیت پر مزاحمت کے لئے کج روی پر مبنی رعایت پیدا کر دیتی ہیں۔ جی ڈی پی میں ٹیکس کا تناسب 10 فیصد کے لگ بھگ رہا ہے اور ایک اندازے کے مطابق اگر ٹیکس کوڈ کو سادہ بنانے کے لئے ٹھوس اقدامات کر دیئے جائیں اور ٹیکس انتظامیہ کو بہتر بنا دیا جائے، ٹیکس آڈٹ میں بہتری لائی جائے، ٹیکس کی موثر پاسداری کرائی جائے اور طویل اپیلوں اور قانونی کارروائیوں کو ختم کر دیا جائے تو تقریباً پانچ فیصد جی ڈی پی کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ ریونیو میں اس اضافے سے ایک طرف اندورن و بیرون ملک سے بھاری قرضوں کی ضرورت نہیں رہے گی اور دوسری جانب بنیادی ڈھانچے اور انسانی سرمائے پر سرمایہ کاری کے لئے فنڈز کی ضروریات پوری ہوسکیں گی۔

اخراجات کی طرف دیکھیں تو آئین میں اٹھارہویں ترمیم اور ساتویں قومی مالیاتی کمیشن ایوارڈ سے مالی نظم وضبط برقرار رکھنے میں مشکلات مزید بڑھ گئی ہیں۔ وفاقی حکومت غیر لچکدار اخراجات مثلاً قرض واجبات، دفاع، پنشن اور تنخواہوں میں الجھی ہوئی ہے لیکن ان بھاری اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اسے قابل ٹیکس ریونیو کا صرف 40 فیصد میسر ہے۔ ایف بی آر کی طرف سے جمع کئے جانے والے ٹیکسوں کے 60 فیصد سے بھی زائد پر اوسطاً صوبائی حکومتوں کا کنٹرول ہے (جدول 1.3) لہٰذا انہیں اپنے وسائل مثلاً زراعت، آمدنیوں، غیر منقولہ جائیداد وغیرہ پر ٹیکس لگانے میں کوئی کشش نظر نہیں آتی۔ جدول 1.4 سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوبوں نے تعلیم اور صحت پر اپنے انتہائی ضروری اخراجات میں اضافہ کے لئے اپنے ان اضافی وسائل کو استعمال نہیں کیا۔ اگرچہ خاص طور پر پنجاب میں کچھ پیشرفت ہوئی ہے لیکن وزارت تعلیم کی ایک حالیہ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ 23 ملین کے لگ بھگ بچے آج بھی سکول سے باہر ہیں۔[10] صوبوں کی خرچ کرنے کی استعداد اس لئے خراب ہوگئی ہے کہ انہوں نے تمام انتظامی اور مالی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں، وہ بنیادی عوامی خدمات کی فراہمی کے امور نچلی سطح پر منتقل کرنے سے انکاری ہیں اور انہوں نے ضلعی حکومتوں کو خاطرخواہ وسائل اور اختیارات منتقل نہیں کئے۔ ریاست اور شہریوں کے درمیان زیادہ تر رابطے چونکہ مقامی سطح پر ہی ہوتے ہیں اس لئے نتیجہ غیر مطمئن شہریوں کی صورت میں سامنے آرہا ہے جنہیں فیصلہ سازی پر کوئی کنٹرول یا رسائی حاصل نہیں۔ اوپر سے نیچے تک سبھی کام صوبائی حکومتیں کر رہی ہیں جس کا نتیجہ وسائل کے ضیاع اور ناکافی استعمال کی صورت میں برآمد ہو رہا ہے۔ اس عمومی رجحان میں خیبر پختونخواہ ایک استثنائی مثال کی صورت میں سامنے آتا ہے کیونکہ یہاں مقامی حکومتوں کے قانون نے مقامی حکومتوں کو بااختیار بنا دیا ہے۔ پنجاب تعلیم کے میدان میں پیشرفت دکھا رہا ہے لیکن اس کا محرک ٹھوس بنیادوں کے حامل ادارہ جاتی نظام نہیں بلکہ وزیراعلیٰ کی متحرک شخصیت ہے۔ مقامی حکومتوں کو اختیارات کی منتقلی میں پنجاب سب سے زیادہ گریزاں نظر آتا ہے اور حالت یہ ہے کہ تعلیم اور صحت کی صوبائی اتھارٹیز بھی براہ راست صوبائی محکموں کے ماتحت کام کر رہی ہیں۔

متواتر مالی خسارے اور اس بناء پر بڑھتے قرضوں اور ترقیاتی اخراجات کے لئے وسائل کی عدم موزونیت کا ایک سبب ریاست کے ملکیتی اداروں میں مسلسل نقصان اور پے درپے بڑھتے واجبات ہیں (جدول 1.5)۔ منصوبے کے مطابق غیر سٹریٹجک سرکاری اداروں کی فروخت سے پسپائی نے ان حلقوں کے ہاتھ مضبوط کر دیئے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ وہ احتجاج کے ذریعے اس عمل کی راہ روک سکتے ہیں۔ نجکاری ہر بڑی سیاسی جماعت کے ایجنڈا میں شامل ہے۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ جب کوئی جماعت برسراقتدار آجاتی ہے اور اس ایجنڈا کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتی ہے تو حزب مخالف کی جماعتیں اس پر شدید مزاحمت کرتی ہیں۔ حزب اختلاف کی وہی جماعت جب حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیتی ہے تو کردار بدل جاتے ہیں۔ دریں اثناء وقت گزرنے کے ساتھ معیشت کو پہنچنے والا نقصان بد سے بدتر ہوتا چلا جارہا ہے۔ واجب الادا قرضے اور واجبات پہلے ہی جی ڈی پی کے دو فیصد سے تجاوز کر چکے ہیں اور اگر ان پر توجہ نہ دی گئی تو یہ مزید جمع ہوتے چلے جائیں گے۔ حکومت کو جہاں سے کوئی ٹیکس وصول نہیں ہو رہا تھا وہاں سے منافع اور ٹیکسوں میں

10 اکیڈمی آف ایجوکیشن پلاننگ اینڈ مینجمنٹ، پاکستان ایجوکیشن سٹیٹسٹکس 2016-16 (ایپام پبلیکیشن نمبر 278)۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://library.aepam.edu.pk/Books/Pakistan%20Education%20Statistics%202015-16.pdf

جدول 1.4: تعلیم اور صحت پر سرکاری اخراجات (جی ڈی پی کا فیصد تناسب)

	تعلیم			صحت			تعلیم وصحت		
	وفاقی	صوبائی	ٹوٹل	وفاقی	صوبائی	ٹوٹل	وفاقی	صوبائی	ٹوٹل
2006-07	0.39	1.16	1.57	0.13	0.37	0.50	0.52	1.53	2.05
2007-08	0.40	1.39	1.79	0.16	0.44	0.60	0.56	1.83	2.39
2008-09	0.34	1.50	1.84	0.13	0.51	0.64	0.47	2.01	2.48
2009-10	0.32	1.45	1.77	0.16	0.49	0.65	0.48	2.04	2.52
قبل از ساتواں این ایف سی ایوارڈ اوسط	0.36	1.37	1.73	0.14	0.45	0.59	0.50	1.82	2.32
2010-11	0.33	1.45	1.78	0.13	0.46	0.59	0.46	1.91	2.37
2011-12	0.28	1.63	1.91	0.05	0.60	0.65	0.33	2.23	2.56
2012-13	0.13	1.78	2.09	0.05	0.65	0.70	0.36	2.43	2.79
2013-14	0.34	1.77	2.11	? 0.14	0.66	0.70	0.48	2.43	2.91
بعد از ساتواں این ایف سی ایوارڈ اوسط	0.32	1.66	1.98	0.09	0.59	0.68	0.41	2.25	2.66
2015-16	0.37	1.82	2.19	0.13	0.61	0.73	0.50	2.43	2.93

ذریعہ: ایس پی ڈی سی (2014) پالیسی پیپر 25۔

اضافہ کی وضاحت خسارے میں چلنے والے ان بینکوں کی مثال سے بخوبی ہو جاتی ہے جن کی نجکاری کی جا رہی ہے۔ فیصلہ سازی کے عمل میں لیت ولعل کی ایک واضح مثال پاکستان سٹیل ہے جس کا پلانٹ بند ہے، نقصان ہو رہا ہے اور سٹیل مصنوعات کی درآمد پر زرمبادلہ خرچ ہو رہا ہے۔
اس وقت پاکستان سماجی تحفظ پر ایک فیصد سے بھی کم خرچ کر رہا ہے جو زیادہ تر بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ذریعے ہو رہا ہے۔ اس لئے زیادہ رقوم مختص کرنے اور آبادی کے غیر محفوظ و کمزور طبقات کے لئے سوشل سیفٹی نیٹ بڑھانے میں بھی مدد ملے گی۔

نجی شعبہ
قومی آمدنی کا تقریباً 90 فیصد نجی شعبے سے حاصل ہوتا ہے جبکہ اشیاء و خدمات کی پیداوار، تقسیم، تبادلے اور تجارت میں بھی اسی شعبے کا حصہ زیادہ سٹریٹجک سرمایہ کاروں کو منتقل ہو گئے ہیں۔ تاہم جب اس کا موازنہ خطے کے دوسرے ملکوں کے ساتھ کیا جاتا ہے تو گزشتہ دہائی میں نجی سرمایہ کاری کا تناسب سست رو اور اس سطح سے کہیں نیچے رہا ہے جو 2000 کی دہائی کے اوائل میں تھا۔ افزائش میں کمی کا رجحان، دباؤ کا شکار مجموعی طلب، توانائی کی قلت اور نازک سکیورٹی صورتحال نے سرمایہ کاروں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ تاہم چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک)

اعداد وشمار 1 : پاکستان کے سرکاری ادارے 2012-16

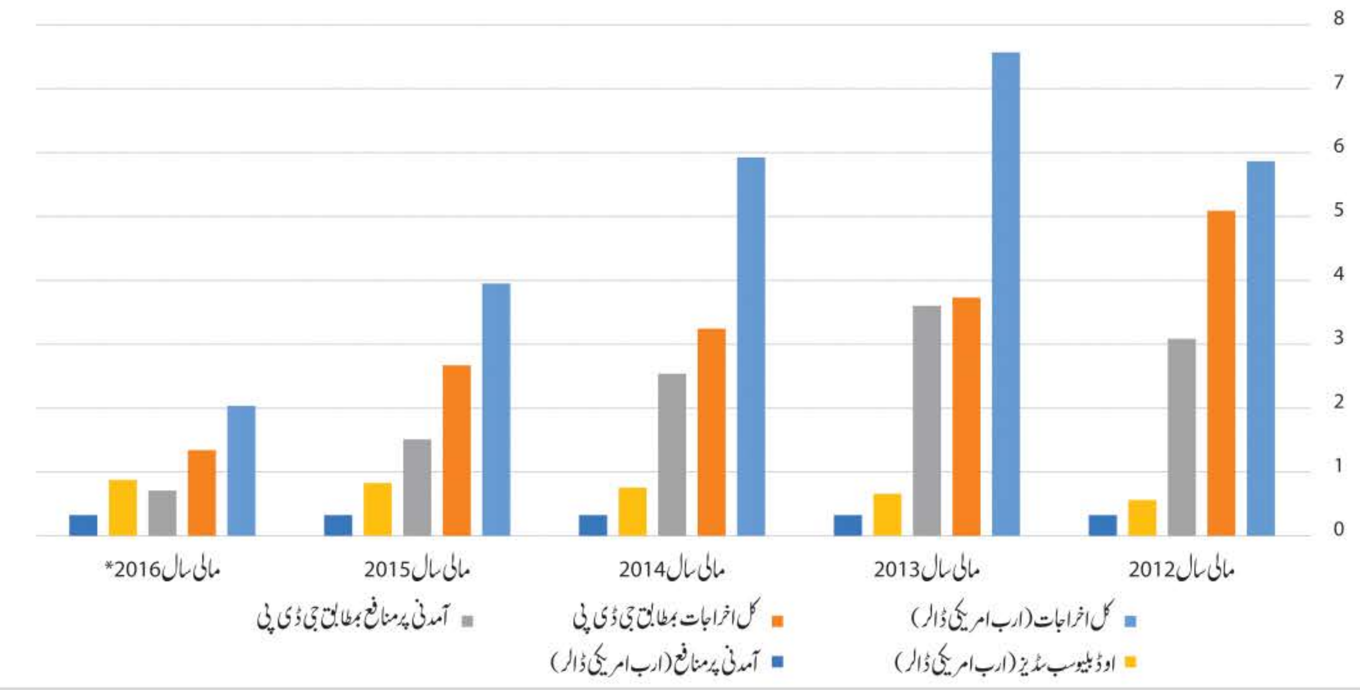

ذریعہ: وزارت خزانہ، پاکستان

* بجلی کے شعبے کے علاوہ

پروگرام کے تحت پچاس لاکھ سے زائد خاندانوں کو رقوم کی غیر مشروط منتقلی کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کی شرط پر بھی بعض رقوم دی جا رہی ہیں۔ سرکاری سرمائے کی رکاوٹ دور کرنے سے سماجی تحفظ کے ہے۔ حکومت نے جب بھی معاون اور سازگار کردار ادا کیا ہے نجی سرمایہ کاری سے معیشت کو قوت ملی ہے۔ ریاست کے ملکیتی اداروں کی نجکاری، جس کا آغاز 1990 کی دہائی میں کیا گیا، کے تحت کئی اثاثے نجی شعبے کے تحت توانائی کے منصوبوں اور بنیادی ڈھانچے میں پچاس ارب ڈالر سے زائد سرمایہ کاری کے بڑے بڑے وعدوں کے ساتھ ساتھ مستحکم میکرو اکنامک اشاریوں اور بہتر سکیورٹی صورتحال سے گزشتہ دو سال میں

صورتحال بہت بہتر ہوئی ہے۔ معیشت کو اگر کوئی ناگہانی دھچکا نہ پہنچے تو آئندہ چند سالوں کے لئے افزائش کی شرح امید افزاء دکھائی دیتی ہے۔ سیمنٹ، سٹیل، تعمیرات اور آٹو موبائل کی صنعتوں میں سرمایہ کاری زور پکڑنے لگی ہے۔ متعدد ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ملک میں اثاثے حاصل کر لئے ہیں یا گرین فیلڈ پراجیکٹ قائم کرنے کے منصوبوں کا اعلان کر دیا ہے۔ لہٰذا غیر ملکی اور ملکی نجی سرمایہ کاری کی شرح بڑھنے کا امکان ہے کیونکہ مناسب قوت خرید کے حامل اور نمایاں حد تک بڑے متوسط طبقے کی طرف سے مانگ مسلسل بڑھ رہی ہے۔ اشیائے صرف کی پیداوار پر منافع کی شرح قدرے بلند ہے۔

نجی سرمایہ کاری کو بڑھانے کا ایک اور طریقہ بنیادی ڈھانچے اور سماجی شعبے میں نجی و سرکاری شعبوں کا اشتراک عمل ہے جو وسائل کو یکجا کرنے اور بوجھ تقسیم کرنے کے لئے ایک پرکشش نظام مہیا کرتا ہے۔ بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں پر سرمایہ لگانے کے لئے "تعمیر کرو، چلاؤ اور منتقل کرو" (بی او ٹی) [11] اور اس سے ملتے جلتے کئی دوسرے طریقے اپنائے گئے ہیں لیکن ان سرگرمیوں کا پیمانہ ابھی بھی محدود ہے۔ خطرات پر ذمہ داری اور حصہ داری کے سمجھوتے پوری طرح وضع نہیں کئے گئے جبکہ سرکاری اور نجی شعبے کے کرداروں کا تعین غیر واضح ہے۔ تنازعات کے تصفیہ کے نظام دشوار اور دقت طلب ہیں۔ تاہم نجی سرمایہ توانائی کے منصوبوں کی طرف زیادہ جا رہا ہے کیونکہ ان میں حکومت ایکوئٹی پر باقاعدہ شرح منافع کی ضمانت دیتی ہے اور واحد خریدار کے طور پر خریداری کا معاہدہ کرتی ہے۔ پیشگی ٹیرف کا تعین ایک خودمختار ریگولیٹر ایندھن کے ذرائع کے مطابق کرتا ہے۔

ایک اور مثبت رجحان جو حالیہ سالوں میں سامنے آیا ہے، بالخصوص غریب اور کم آمدنی والے طبقات کے لئے تعلیم اور حفظان صحت کے شعبوں میں فلاح عامہ اور خدمت خلق کا کردار ہے۔ فلاح عامہ اور سماجی ذمہ داری کے تحت کاروباری اداروں کے فنڈز کو بروئے کار لانے کے لئے بنائی گئی متعدد غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) نہ صرف حکومتی اور نجی وسائل میں اضافے کا باعث بن رہی ہیں بلکہ خدمات کی فراہمی میں جہاں خلاء موجود ہے اسے بھی دور کر رہی ہیں۔ سرسری اندازوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جی ڈی پی کے کم و بیش 1 سے 1.5 فیصد تک رقوم مخیر افراد اور اداروں کی طرف سے مختلف سماجی و مذہبی مقاصد کے لئے دی جاتی ہیں۔ حکومت کی طرف سے وصول کی جانے والی یا افراد کی طرف سے دی جانے والی زکوٰۃ [12] اس کے علاوہ ہے۔

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی طرف سے 2015 میں سرمائے تک رسائی پر کئے گئے سروے [13] کے مطابق بالغ آبادی میں سے صرف 16 فیصد کے بینک اکاؤنٹ ہیں جبکہ سات فیصد کو دیگر باضابطہ مالی خدمات تک رسائی میسر ہے۔ غیر رسمی طور پر خدمات فراہم کرنے والوں کی طرف سے مزید ایک تہائی آبادی کو خدمات فراہم کی جاتی ہیں جس کے بعد تقریباً نصف آبادی مالی سہولیات سے خارج رہ جاتی ہے۔ مالی شمولیت کی قومی حکمت عملی [14] کا مقصد کم از کم پچاس فیصد بالغ آبادی کو باضابطہ مالی شعبے کے دائرے میں لانا ہے۔ اس قدر رابطہ و رسائی موبائل فون صارفین کے بلند تناسب کی بدولت ممکن ہوئی جو آبادی کا تقریباً 70 فیصد بنتے ہیں۔ موبائل والٹ (Mobile Wallet) تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ برانچ لیس بینکنگ اکاؤنٹس کی تعداد 14.5 ملین تک پہنچ چکی ہے جو 2014 کے مقابلے میں تقریباً تین گنا ہے اور اس کے ذریعے لین دین کی سالانہ مالیت ایک ٹریلین روپے تک پہنچ چکی ہے۔ اسی طرح مائیکروفنانس قرضے لینے والوں کی تعداد 4.3 ملین تک بڑھ گئی ہے جس کے لئے 2020 تک 10 ملین کا ہدف پورا کرنے پر کام جاری ہے۔ مالی خدمات تک رسائی کو ان لوگوں، جو اب تک اس سے خارج تھے، تک پھیلانے سے غربت میں کمی، معقول روزگار اور ملازمت کے علاوہ سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کے مقاصد پر دوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

آئندہ لائحہ عمل

پاکستان کے معاملے میں ملک کا موجودہ منظر نامہ اس لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ 2018 کے اوائل میں عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ گزشتہ دو انتخابات یعنی 08-2007 اور 13-2012 کے انتخابات ایسے وقت پر آئے جب ملک سنگین معاشی بحران کی نہج کو پہنچا ہوا تھا اور آئی ایم ایف کے دروازے پر دستک دینے پر مجبور ہوا۔ اس لحاظ سے 18-2017 معیشت کے لئے "کرو یا مرو" والا سال ہے جو مستقبل پر بھی اپنے اثرات دکھائے گا۔ معیشت مستحکم ہے اور میکرو اکنامک اشاریئے کافی بہتر نظر آ رہے ہیں جس میں تیل اور اشیائے ضروریہ کی زوال پذیر بین الاقوامی قیمتوں سے بھی مدد ملی ہے۔ روپے کی قدر میں مسلسل کمی کا رجحان رک گیا ہے اور زرمبادلہ کے ذخائر اس قدر ہو گئے ہیں کہ چار ماہ کی برآمدات کو پورا کر سکتے ہیں۔ بین الاقوامی مالیاتی منڈیوں کی نظر کرم اس وقت پاکستانی پیپر پر ہے اور ملک میں درپیش خطرات کے حوالے سے کریڈٹ ایجنسیوں اور قرضہ دینے والے بین الاقوامی اداروں کا نقطہ نظر زیادہ مثبت ہے۔ آئی ایم ایف کے ساتھ معاہدہ کامیابی کے ساتھ مکمل ہو چکا ہے۔ کراچی میں سکیورٹی کی صورتحال نمایاں حد تک بہتر ہو گئی ہے جس سے کاروباری افراد اور شہریوں نے بالآخر سکھ کا سانس لیا ہے۔ بنیادی ڈھانچے سے متعلق متعدد منصوبوں پر کام جاری ہے اور ان حالات میں سی پیک بھی ایک حوصلہ افزاء پیشرفت ہے۔ بجلی کی لوڈشیڈنگ اور گیس کی قلت میں واپسی کا رجحان چل نکلا ہے اور ایل این جی درآمدات سے بہرحال صنعتی اداروں کا دباؤ کچھ کم ہوا ہے۔
اب جبکہ میکرو اکنامک استحکام آ گیا ہے تو ہمارے سامنے دو راستے ہیں۔ اسے ٹھوس شکل دیں اور اس کے ثمرات کو آگے بڑھاتے ہوئے پالیسی اصلاحات کریں جن سے معاشی افزائش کی رفتار تیز کر کے اسے چھ سے سات فیصد سالانہ تک پہنچانے میں مدد ملے۔ یا پھر ان ثمرات کو چھوٹی چھوٹی چیزوں پر برباد کر دیں اور طاقتور مفاداتی گروہوں کو ٹھنڈا کرنے والے عوامی اقدامات کریں، اصلاحات سے کنی کترائیں اور دباؤ کے سامنے سر جھکا دیں۔ سب کی شمولیت پر مبنی افزائش، سماجی تحفظ، برابری اور پائیدار ماحول کے مقاصد کے حصول کے لئے معیشت کو درپیش بڑی رکاوٹوں سے بھرپور انداز میں نمٹنا ہو گا۔ اس سلسلے میں ملکی وسائل کو سرکاری سرمایہ کاری یا پھر نجی سرمایہ کاری کے ذریعے بروئے کار لانے کے لئے ساری توجہ معیشت کے ان اصل شعبوں میں نئی روح پھونکنے پر مرکوز کرنا ہو گی جن کی کارکردگی اس وقت اچھی نہیں ہے لیکن وہ عوام کی عمومی فلاح اور معیشت کی دیرپا افزائش کے لئے ناگزیر ہیں۔ جب تک ان اصل شعبوں میں دوبارہ جان نہیں ڈالی جائے گی افزائش محض ایک فریب رہے گی، بیروزگاری بڑھتی چلی جائے گی، رہن سہن کے معیارات پست ہوتے جائیں گے، اور یوں ترقی پر سرمایہ کاری اور سماجی تحفظ کے لئے وسائل پیدا کرنے کی استعداد بری طرح رکاوٹوں کا شکار رہے گی۔

لہٰذا آگے بڑھنے کے لئے نقطہ آغاز اس طرح کے سٹریٹجک اقدامات ہونے چاہئیں جن سے معیشت کے اصل شعبوں کی کارکردگی کو تقویت ملے اور مستقبل میں سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کی بنیادیں استوار ہوں۔

زراعت جس سے 45 فیصد آبادی کا ذریعہ معاش وابستہ ہے اور جس پر انحصار کرنے والوں میں غریبوں کا تناسب سب سے زیادہ ہے، مشکلات کا شکار ہے جس میں اشیائے ضروریہ کی بین الاقوامی قیمتوں میں کمی کے علاوہ ملک میں پالیسی اور ادارہ جاتی رکاوٹیں، دونوں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ کپاس کی پیداوار اوسطاً 14 ملین گانٹھ سے 11 ملین گانٹھ پر آ گئی ہے اور طلب پوری کرنے کے لئے بھارت اور اضافی پیداوار کے حامل دوسرے ملکوں سے کپاس برآمد کرنا پڑ رہی ہے۔ "پلانٹ بریڈرز بل"، جو ایک طویل عرصے سے زیرالتواء تھا، بالآخر پارلیمنٹ سے منظور ہو گیا ہے۔ اس سے جینیاتی طور پر تبدیل شدہ کپاس متعارف کرانے کی راہ ہموار ہونی چاہئے جس سے بھارت میں پیداوار دوگنا ہو گئی ہے۔ کپاس ایک نقد آور فصل ہے جس سے کسانوں کے لئے قابل خرچ آمدنی میں بہت اضافہ ہوتا ہے اور اس کی بدولت دیہی علاقوں میں کئی غیر زرعی سرگرمیوں کے راستے بھی کھل جاتے ہیں۔ لائیوسٹاک اور ڈیری مصنوعات بھی چھوٹے کسانوں کے لئے نقد آمدنی کا ایک ذریعہ ہیں لیکن اس کے ثمرات کو دیہی آبادی کے وسیع تر طبقے تک پھیلانے کے لئے سرکاری پالیسی کے ساتھ ساتھ سرمایہ کاری اور مراعات کے ڈھانچوں کو ازسرنو ترتیب دینا ہو گا۔ ناقص غذائیت اور بھوک کی مشکلات سے نمٹنے کے لئے چھوٹے کاشت کاروں کو آبپاشی کے پانی تک برابر رسائی، پیداوار کی مارکیٹنگ اور ضروری اشیاء کی خریداری کے لئے قرض کی فراہمی کے ذریعے ان کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ پانی کی بڑھتی قلت اور تبدیلی آب و ہوا کے اثرات کو پانی کے حجم کے مطابق قیمتیں متعین کرنے میں پیش نظر رکھا جانا چاہئے جس سے صوبوں کے ریونیو میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو گا۔

بڑے پیمانے کی کارخانہ سازی، چند استثنائی صورتوں کے ساتھ، کے آگے بڑھنے کا عمل آہستہ ہے جس میں جگہ جگہ رکاوٹیں بھی آ رہی ہیں۔ روایتی

---

11 Build-operate-transfer (بی او ٹی) یا Build-own-operate-transfer (بی او او ٹی) منصوبوں پر سرمایہ کاری کا ایک طریقہ ہے جس میں نجی ادارے سرکاری شعبے سے ایک کنسیشن حاصل کرتے ہیں جس کے تحت وہ کنٹریکٹ میں طے شدہ سہولت پر سرمایہ لگاتے ہیں، اس کی ڈیزائننگ و تعمیر کرتے ہیں اور اسے چلاتے ہیں۔

12 زکوٰۃ غرباء کو دی جانے والی ایک رقم ہے جو اسلام میں ایک مذہبی ذمہ داری یا ٹیکس کی حیثیت رکھتی ہے۔

13 اسٹیٹ بینک آف پاکستان اور کیلپ پاکستان (2015)۔ Access to Finance Survey 2015۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.a2f2015.com/

14 اسٹیٹ بینک آف پاکستان۔ National Financial Inclusion Strategy۔ مزید یہاں سے پڑھیں:
https://etouches-appfiles.s3.amazonaws.com/html_file_uploads/89b3a3d1f16c1c57ddc131e3396a02d1_Oct27-1430-SessionA-WaseemMalik.pdf?response-content-disposition=inline%3Bfilename%3D%22Waseem_Malik%22&response-content-type=application%2Fpdf&AWSAccessKeyId=AKIAJC6CRYNXDRDHQCUQ&Expires=1490700453&Signature=XNAU6s8DhNdk6du0rQ52Bz%2Bd%2F2k%3D

شعبے مثلاً ٹیکسٹائل، چمڑے کا سامان، اشیائے خوردونوش اور سیمنٹ ایک طویل عرصے سے اس میدان میں چھائے ہوئے ہیں۔ اس میں وسعت پیدا کر کے کم ٹیکنالوجی اور زیادہ وسائل والے شعبوں سے ٹیکنالوجی کے درمیانے اور بلند استعمال والی مصنوعات، جن کی عالمی اور مقامی منڈیوں میں مانگ بھی زیادہ ہے، کی طرف قدم بڑھانے کا مرحلہ ابھی آنا باقی ہے۔ جدت اور اپنا کاروبار والی سوچ، جو نئی صنعتوں کے لئے قوت محرکہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہیں اور پاکستانی

سلسلے میں رہنمائی کا کام دے سکتی ہیں جنہیں اپنے حالات کے مطابق ڈھال کر عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

توانائی کی قلت کے ہاتھوں معیشت 2008 کے دنوں سے کئی عوارض کا شکار چلی آرہی ہے۔ صنعتی پیداوار اور برآمدات کا رجحان افزائش کی شرح کے ساتھ چلنے سے قاصر رہا۔ سرکاری سرمایہ ڈسٹری بیوشن کمپنیوں میں ہونے والے نقصان اور سب سڈیز کے باعث دباؤ کا شکار رہا۔ بجلی پیدا

ٹیشن کے اعتبار سے پاکستان کے ناقص ریکارڈ کو سماجی شعبوں کے کمزور طرز حکمرانی اور ناقص نظم و نسق سے منسوب کیا جاسکتا ہے (دیکھیں جدول 1.6 جس میں ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس کے اعتبار سے پاکستان کے رجحانات کا خلاصہ دیا گیا ہے)۔ صوبائی ہیڈکوارٹرز کی طرف سے مرکز گیر کنٹرول نے ان خدمات کی فراہمی اور رسائی کو دسترس سے باہر کر دیا ہے۔ جب تک مقامی حکومتوں کو اتھارٹی، خودمختاری اور اپنا انتظام چلانے کے لئے وسائل نہیں دیئے جاتے اتنے وسیع پیمانے پر ہونے والی سرگرمیوں کی

جدول 1.5: ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس میں پاکستان کے رجحانات

	ہیومن ڈویلپمنٹ انڈکس کی قدر	متوقع عرصہ حیات	سکول تعلیم کے متوقع سال	سکول تعلیم کے اوسط سال	فی کس خام قومی آمدنی (پی پی پی 2011، امریکی ڈالر میں)
1980	0.353	-	3.7	1.8	2,437
1990	0.399	55.0	4.4	2.3	3,094
2000	0.444	63.0	5.2	3.3	3,324
2010	0.522	65.0	7.4	4.6	4,380
2015	0.538	66.0	7.8	4.8	4,866

ذریعہ: اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ (یو این ڈی پی)

صنعت تاحال رسد کے عالمی سلسلوں کا حصہ نہیں بن پائی۔ چھوٹے اور درمیانے کارخانوں کے بارے میں اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں لیکن یہ بڑے کارخانوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ چھوٹے اور درمیانے کاروباری اداروں کے معاملے میں جہاں تک توسیع، ٹیکنالوجی کے ساتھ چلنے، مصنوعات میں جدت لانے اور کوالٹی کنٹرول پر عمل کرنے کا تعلق ہے تو سرمایہ ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ بڑے کارخانوں کے ساتھ کنٹریکٹ جیسی سہولتیں اس ضمن میں مدد دے سکتی ہیں۔ سب کی شمولیت پر مبنی افزائش، افرادی قوت کھپانے اور عدم مساوات دور کرنے کی حکمت عملی کے لئے یہ شعبہ جزولازمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

صنعتی شعبے کو درپیش بعض مسائل کا تعلق سازگار ماحول سے ہے۔ کاروبار کرنے میں آسانی کے انڈکس میں پاکستان کا رینک 190 ملکوں میں 144 ہے۔[15] حکومت نے اس سلسلے میں ضابطے کی کارروائیوں کا جائزہ شروع کر دیا ہے اور اسے چاہئے کہ ایک طرف ضابطے کی غیر ضروری کارروائیاں ختم کرنے کے لئے مزید اقدامات کرے اور دوسری جانب نچلی سطح پر سرکاری اہلکاروں کی من مانی مداخلت کو بھی کنٹرول کرے۔ اس کے لئے ایک فعال، عمدہ کوآرڈینیشن پر مبنی، مسائل کو حل کرنے والی اور مشاورتی سوچ اپنانا ہوگی جس میں ہر شعبے کے آجروں اور ممکنہ سرمایہ کاروں کو وفاقی، صوبائی اور مقامی حکومتوں کے افسران و اہلکاروں کے ساتھ بٹھا دیا جائے اور اتفاق رائے کی بنیاد پر فیصلے کئے جائیں۔ موجودہ منتشر ڈھانچہ جس میں سرمایہ کار مختلف انواع کی کلیئرنس یا این او سی حاصل کرنے، اراضی لینے، بجلی، پانی گیس وغیرہ کے کنکشن حاصل کرنے کے لئے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے پھرتے ہیں، اس پر نظرثانی کرنا ہوگی اور اسے مجموعی دھارے میں لانا ہوگا۔ ہمسایہ ملک بھارت میں آندھرا پردیش، تامل ناڈو اور گجرات کی کامیاب مثالیں اس

کرنے کے لئے تیل و گیس فراہم کرنے والی کمپنیاں اور ریفائنریاں پیسے کے بہاؤ جیسے مسائل کا شکار رہیں اور کمپنیوں کے آپس کے واجبات کی ادائیگیاں نہ ہوئیں جس کی وجہ سے گردشی قرضہ بڑھتا چلا گیا جو اس وقت جی ڈی پی کے دو فیصد تک پہنچ چکا ہے لیکن جب تک ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کی نالائقی کا حل نہیں نکالا جاتا مالی نقصانات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ لہٰذا ان کمپنیوں کی نجکاری یا ری سٹرکچرنگ پالیسی کا ایک تقاضا بن جاتی ہے۔

دوسرا اہم شعبہ جو مذکورہ بالا مقاصد کے حصول میں بہتری لانے اور عام شہری کی حالت بہتر بنانے کے لئے استعداد کو بروئے کار لاتا ہے، مقامی حکومت کی سطح پر طرز حکمرانی سے متعلق ہے۔ مقامی حکومتوں سے متعلق موجودہ قانون، بالخصوص سندھ اور پنجاب میں، پر نظرثانی کی ضرورت ہے تاکہ ضلعی حکومتوں کو اتھارٹی اور انتظامی اختیارات مقامی حکومتوں کے منسوخ شدہ آرڈیننس 2001 کے خطوط پر منتقل کئے جاسکیں۔ امیدیں بڑی شاندار تھیں کہ اٹھارہویں ترمیم اور ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے بعد اختیارات کی وفاق سے صوبائی سطح پر منتقلی کا عمل مقامی حکومتوں تک بڑھتا چلا جائے گا۔ لیکن اس عمل کو روک دیا گیا ہے اور صوبائی حکومتوں نے وہ تمام انتظامی، قانونی اور مالی اختیارات سنبھال رکھے ہیں جو گزشتہ دہائی میں مقامی حکومتوں کے پاس تھے۔ اس رجعت پسندانہ اقدام کو ختم کرنا ہوگا کیونکہ شہریوں کو بنیادی سرکاری اشیاء و خدمات کے حصول میں مشکل پیش آتی ہے۔

شرح خواندگی، داخلوں کے نقد تناسب، سیکھنے کے معیار، سکول چھوڑ جانے والے بچوں کی بلند شرح، افرادی قوت کی ناقص مہارتوں، صنفی عدم مساوات، ناقص غذائیت، بیماریوں، پینے کے صاف پانی کی کمی اور سینی

نگرانی اور مسائل کا حل ناممکن ہے۔ صوبائی حکومتیں پالیسیوں، معیارات اور جانچ پرکھ سے متعلق پہلوؤں کا تعین کر سکتی ہیں اور طے شدہ اہداف اور اشاریوں کے اعتبار سے مدت وار معائنے اور نگرانی کر سکتی ہیں۔ نچلی سطح پر کمیونٹی کو ساتھ ملانا کہیں آسان ہوتا ہے اور شہریوں کی جوابی آراء ایک مرکز گریز اور نچلی سطح پر اختیارات پر مبنی نظام میں ہی موثر ہو سکتی ہیں۔

پالیسی سازوں کی توجہ جس طرح سی پیک اور توانائی کے بحران جیسے ایجنڈا امور پر مرکوز ہے تو مقامی حکومتوں کو بااختیار بنانے کا معاملہ فی الوقت ان کی ترجیحات میں دکھائی نہیں دیتا۔ تجرباتی شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے مقامی منتخب نمائندوں تک عام شہریوں کی رسائی صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے ارکان کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ یہ نمائندے جو زمینی حقائق سے زیادہ باخبر ہوں گے، شہریوں اور بنیادی سرکاری اشیاء و خدمات فراہم کرنے والے حکومتی محکموں کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس نظام کی بدولت ان علاقوں میں ترقیاتی منصوبوں کے لئے وسائل کی موثر انداز میں تخصیص اور ان کا استعمال یقینی ہوگا۔ وسائل کے اس طرح عمدہ استعمال سے سماجی تحفظ جیسے دیگر مقاصد پر سرمایہ لگانے کے لئے وسائل میسر ہوں گے۔

معیشت کے اصل شعبوں کو درپیش یہ رکاوٹیں ایک دفعہ دور ہو جائیں تو اصل معیشت اوپر کی طرف جانے لگے گی کیونکہ جو اضافی استعداد اس وقت موجود ہے وہ استعمال میں لگ جائے گی۔ بہتری کے اس رجحان سے زیادہ وسائل پیدا ہوں گے کیونکہ سرکاری، کاروباری اور گھریلو بچتوں کی سطح بلند ہو جائے گی۔ اس طرح یہ وسائل ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے دستیاب ہوں گے اور ایک سودمند عمل چل نکلے گا۔ سب سے پہلے، وسائل کے بہتر استعمال سے قومی آمدنی کی سطح بلند ہوگی تو ملکی بچتوں کی

15 عالمی بینک (2017) ـ Ease of Doing Business Index ـ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.doingbusiness.org/rankings

رقوم بڑھ جائیں گی اور نتیجتاً سرمایہ کاری کی سطح بھی بلند ہوگی۔ زیادہ سرمایہ کاری اور اس کے ساتھ ساتھ عمدہ پالیسیوں اور بہتر طرز حکمرانی کی بدولت زیادہ پیدوار، آمدنیاں اور روزگار کے مواقع ممکن ہوں گے جس سے حکومت کا ٹیکسوں سے اور ٹیکسوں سے ہٹ کر دیگر ذرائع سے ریونیو بڑھے گا۔ یہ اضافی ٹیکس ریونیوز اور ان کے ساتھ ساتھ اگر پہلے سے ٹیکس دائرے میں موجود لوگوں کو سزائیں دینے کے بجائے ٹیکس دائرے کو وسیع کرلیا جائے تو حکومت کے لئے بینکوں سے قرضے لینے کی ضرورت کم ہو جائے گی۔ اس طرح مالیاتی شعبہ ملکی نجی شعبے کی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہو جائے گا اور ان کے لئے غیر ملکی کرنسی کا خطرہ بھی نہیں رہے گا۔ بنیادی ڈھانچے مثلاً توانائی، سڑکوں، شاہراہوں، ریلوے، بندرگاہوں اور انسانی وسائل کی ترقی بشمول مہارتوں کی تربیت، جس کے لئے سرمایہ ملکی یا بیرونی قرضوں کے بجائے ٹیکسوں اور دیگر شعبوں سے ہونے والے زیادہ ریونیوز سے لگایا جائے گا، پر حکومتی سرمایہ کاری سے صنعت اور خدمات کے شعبوں میں پیداواری لاگت کم ہوگی۔ لاگت کے اعتبار سے اس مسابقت کے ساتھ ساتھ کاروبار کے لئے سازگار ماحول سے براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری آئے گی اور اشیاء و خدمات کی برآمدات میں بھی اضافہ ہوگا۔ برآمدات اتنی تو ہونی چاہئیں کہ ان سے زیادہ تر درآمدات پر سرمایہ لگایا جاسکے۔ اس سے کرنٹ اکاؤنٹ کے خسارے میں کمی آئے گی۔ براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری جیسے سرمائے کے بہاؤ سے قرضے پیدا نہیں ہوں گے اور ادائیگیوں کو متوازن رکھنے کے دباؤ کے پیش نظر بیرونی قرضوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ پاکستان میں ہر شخص قرضوں اور قرض واجبات کے لئے مختص کی جانے والی بڑھتی رقوم پر پریشان ہے۔ بڑھتے قرضے کے بارے میں خدشات، جن پر میڈیا اور عوامی فورمز، ہر جگہ تفصیلی بات ہوتی ہے، کاروبار کو دور رکھنے اور کاروبار کرنے والوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔ جیسے جیسے اضافی بیرونی قرضوں کی سطح کم ہوگی قرضوں کا بوجھ بھی آہستہ آہستہ دور ہوتا جائے گا اور ان خدشات کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔

تعلیم، صحت، فراہمی آب، سینی ٹیشن اور سالڈ ویسٹ ڈسپوزل کی عدم مرکزیت اور نچلی سطح پر منتقلی کے علاوہ نتائج کے لئے احتساب کے نظام سے بھی وسائل کی عمدہ تخصیص اور استعمال میں بہتری آئے گی، اخراجات میں بچت ممکن ہوگی اور پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کی تکمیل میں بہتر نتائج یقینی ہوسکیں گے۔ عطیہ دینے والے بیرونی اداروں کی امداد ان شعبوں کے کام کی نہیں رہے گی اور اسے دیگر کڑی مشکلات سے نمٹنے مثلاً ماحول کی پائیداری، قابل تجدید توانائی اور تبدیلی آب و ہوا کے ایجنڈا کو آگے بڑھانے کی طرف منتقل کیا جاسکے گا جن کے لئے فی الوقت پالیسی سازوں میں کچھ زیادہ بے چینی نظر نہیں آتی۔

اوپر جس صورتحال کی خاکہ کشی کی گئی ہے اسے حقیقت کا روپ تبھی مل سکتا ہے کہ اصل معیشت کو درپیش رکاوٹیں دور کرنے کے لئے جو اقدامات بیان کئے گئے ہیں ان پر ایسے کڑے اور بروقت فیصلے کرتے ہوئے عملدرآمد کیا جائے جن سے کسی مخصوص مفاداتی گروہ کے دباؤ کے تحت پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہ ہو۔ ان میں سے ہر اقدام پر کام ہوسکتا ہے بشرطیکہ قیادت بصیرت افروز ہو جو ان کاموں کو کرنے کا پختہ سیاسی عزم رکھتی ہو۔

پاکستان کی موجودہ صورتحال میں ترقی پر سرمایہ کاری کا سب سے زیادہ انحصار ایکسٹرنل اکاؤنٹس کی دانشمندانہ مینجمنٹ پر ہے۔ ترسیل زر اور تیل کی درآمدات چونکہ آپس میں منفی انداز میں جڑی ہیں اس لئے تیل کی قیمتیں اگر کم رہیں گی تو ترسیل زر قابل انحصار نہیں رہے گا۔ تیل پیدا کرنے والے ممالک سرمایہ کاری منصوبوں پر کٹوتیاں کریں گے اور غیر ملکی کارکنوں میں تخفیف کریں گے۔ منافع کی واپسی، موجودہ بیرونی قرضوں کے واجبات اور کولیشن سپورٹ فنڈ کے تحت ملنے والی رقوم مزید نہ ملنے سے خسارہ بڑھ جائے گا۔ لہٰذا ہمیں اشیاء و خدمات کی برآمدات اور براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کے بہاؤ کو بڑھانے پر توجہ مرکوز کرنا ہوگا۔ اگر پاکستان عالمی منڈی میں اپنا کھویا ہوا حصہ دوبارہ حاصل کرلے یا جی ڈی پی میں برآمدات کا تناسب 10 فیصد تک بڑھ جائے (ماضی میں یہ اس سے بھی بہتر کارکردگی دکھا چکا ہے) تو یہ اپنی بیرونی قرضے کی ضروریات میں کم و بیش نصف تک کمی لا سکتا ہے اور اپنے ایکسٹرنل اکاؤنٹس کو کسی دباؤ کے بغیر چلا سکتا ہے۔ لہٰذا تمام دیگر پالیسی اقدامات میں ترجیح اسی بات کو ملنی چاہئے کہ مصنوعات کی اقسام میں وسعت پیدا کرکے، نئی منڈیوں میں جگہ بنا کر اور رسد کے عالمی سلسلوں کا حصہ بن کر برآمدات میں اضافہ کیا جائے۔ تجارتی اور ٹیرف نظام میں نرمی لا کر اسے معقول اور لبرلائز کردیا جائے تو بعض شعبوں میں درآمدات کے متبادل بھی قابل عمل ہوسکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خدمات مثلاً انفارمیشن کمیونیکیشن ٹیکنالوجیز (آئی سی ٹیز) کی برآمدات میں صورتحال خاصی امید افزاء دکھائی دیتی ہے کیونکہ پاکستان کے پاس ایسا ٹیلنٹ موجود ہے جسے بھارت کے مقابلے میں کہیں کم قیمت پر سپلائی کیا جاسکتا ہے۔ پاکستانی ماہرین مقابلتاً زیادہ قابل اعتبار ہیں کیونکہ نچلی سطح پر اس وقت ان کی طلب موجود ہے۔ اشیاء و خدمات کی بناء پر تجارتی خسارے میں کمی کے بعد کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ ان رقوم سے پورا ہونا چاہئے جو قرضوں کی شکل میں نہیں آتیں مثلاً براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ذخائر کا منہ کھولنا پڑے گا۔

جہاں تک ملکی وسائل کو بروئے کار لانے کا تعلق ہے تو اس بات کا ادراک ضروری ہے کہ بلند افزائش اور ٹیکس ریونیوز کے درمیان ربط خودکار نہیں ہوتا۔ افزائش کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے کے لئے ٹیکس ڈھانچے، پالیسی و انتظامی مشینری کا مکمل جائزہ اور درستی ضروری ہوتی ہے۔ پاکستان کی ٹیکس استعداد جی ڈی پی کا 22.3 فیصد ہے جبکہ یہ 11 فیصد جمع کر رہا ہے۔ ٹیکس دائرے کو وسیع کرنا ہے اور اہل ٹیکس دہندگان کو اس میں شامل کرنا ہے تو اس کے لئے نجی شعبے کو توسیع اور نئی سرمایہ کاری کے سلسلے میں مراعات دینے کے لئے سیلز اور کارپوریٹ ٹیکس کے ریٹس کو نیچے لایا جاسکتا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہوگا کہ ٹیکس کوڈ کو سادہ بنایا جائے، ٹیکس انتظامیہ کو مشکلات اور کرپشن سے پاک بنایا جائے، آڈٹ کو مستحکم اور بہتر بنایا جائے، ٹیکس سہولیات میں ٹیکس دہندگان کو مرکزی حیثیت دی جائے اور تنازعہ کے تصفیہ کے متبادل طریقے رائج کئے جائیں۔

صوبائی حکومتوں کا زیادہ زور خدمات پر بلند شرح کے جی ایس ٹی پر ہے اور وہ زرعی آمدنیوں، آبپاشی کے پانی کے صارفین کے واجبات اور غیر منقولہ جائیداد کو مکمل طور پر نظر انداز کر رہی ہیں۔ پنجاب اور سندھ میں ان تمام ذرائع سے کم از کم جی ڈی پی کے ایک فیصد کے برابر مزید رقوم پیدا کی جاسکتی ہیں۔ مقامی حکومتوں کو اگر با اختیار بنادیا جائے تو وہ ریونیو موبلائزیشن میں بھی کردار ادا کرسکتی ہیں کیونکہ تجرباتی شواہد سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ سرکاری اخراجات سے مستفید ہوتے ہیں اور جنہیں نظر آتا ہے کہ ان کے علاقوں اور کمیونٹیز میں نتائج سامنے آرہے ہیں تو فیسوں، صارف واجبات اور ٹیکسوں کی ادائیگی پر ان کی آمادگی بڑھ جاتی ہے۔ ان کی دی ہوئی رقوم اگر کسی ایسی جگہ لگیں جس کا کوئی سراغ ہی نہ مل پائے اور انہیں ٹھیک طریقے سے اندازہ ہی نہ ہو پائے کہ ٹیکسوں اور فیسوں کی شکل میں دی ہوئی ان کی رقوم کہاں استعمال ہو رہی ہیں تو وہ اس سے زیادہ گریزاں ہو جاتے ہیں۔ ریاست کے ملکیتی اداروں کی طرف سے منافع اور سود کی ادائیگیاں جن سے کسی حکومتوں میں صرف نظر برتا جاتا ہے، بھی حکومت کے لئے ریونیو کا اضافی ذریعہ بن سکتی ہیں۔

نجی شعبے کی سرمایہ کاری کے میدان میں نجی ایکوئٹی فنڈز، بیمہ کمپنیوں، پنشن، پراویڈنٹ اور انڈومنٹ فنڈز کی استعداد سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا گیا اس لئے طویل مدت کے بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں کے لئے انہیں بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ یہ ادارہ جاتی سرمایہ کار معاہدوں کے تحت اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے معقول حد تک زیادہ منافع کی تلاش میں رہتے ہیں اور دور رس انداز میں سوچتے ہیں۔ بنیادی ڈھانچے کے منصوبوں سے تعمیر کے تین سے چار سال بعد منافع ملنا شروع ہوجاتا ہے لیکن منافع کے اس سلسلے کو آئندہ پچیس تیس سال تک جاری رکھا جاسکتا ہے۔ اثاثوں اور واجبات کا یہ نعم البدل بینکاری لین دین میں نہیں ملتا۔ لہٰذا اگر سرمائے کی منڈیوں اور نجی ایکوئٹی کا رخ کیا جائے تو اس سے بڑے ڈیموں اور ذخائر، پائپ لائنوں، ٹرمینلز، شاہراہوں، بندرگاہوں، ہوائی اڈوں کے لئے فنڈز نکالے جاسکتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ منصوبوں پر سرمایہ اس طرح لگایا جائے کہ جس میں خطرات اسی حساب سے رکھے جائیں جس قدر خطرات مختلف اوقات میں برداشت کرنے کی استعداد موجود ہو۔

پاکستان ایک بار پھر معاشی افزائش کی راہ پر آگے بڑھ رہا ہے اور اس سفر میں تعطل نہیں آنا چاہئے۔ اگر کوئی اندرونی یا بیرونی دھچکا لگتا ہے تو اسے اس انداز میں سنبھالا جائے کہ آگے بڑھنے کا یہ سفر متاثر نہ ہو۔ 2018 میں ہونے والے انتخابات کی شکل میں یہ خطرہ موجود ہے۔ حکمران سیاسی جماعتوں پر ان طاقتور لابیوں اور گروہوں کو جو انتخابات میں حمایت کے بدلے نوازشات کا تقاضا کرتے ہیں، ٹھنڈا کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جائے گا اور ہر طرح کی کوششیں کی جائیں گی۔ موجودہ برسراقتدار لوگ واپس آجائیں یا ان کے مخالفین مسند اقتدار پر بیٹھ جائیں، بہر حال 2017 میں عوام پسند پالیسیوں کے مضمرات معیشت کے لئے انتہائی مضر اور نقصان دہ ہوں گے۔ 2017 اور پھر 2018 کے اوائل میں معاشی امور کو سوچے سمجھے اور دانشمندانہ انداز میں نمٹایا گیا تو آنے والی حکومت کا کام زیادہ آسان ہو جائے گا اور انتخابات کے بعد آئی ایم ایف کے در پر دستک دینے کی روش سے بچنا ممکن ہوسکے گا۔

© UNDP Pakistan

بہتر زندگیاں
ترقی پر سرمایہ کاری میں سرکاری شعبے کا کردار

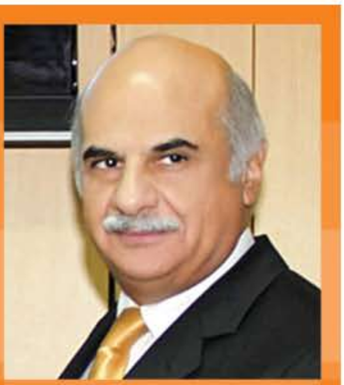

جہانزیب خان

چیئرمین منصوبہ بندی و ترقی بورڈ،
حکومت پنجاب

نمیرہ حمید

پالیسی اینالسٹ، منصوبہ بندی و ترقی بورڈ،
حکومت پنجاب

ترقیاتی پروگرام کا اصل مقصد زندگیاں بہتر بنانا ہے۔ اس کی جگہ اقتصادی و سماجی پالیسی فریم ورک میں ہے جو افزائش اور برابری کے جڑواں مقاصد کو آگے بڑھاتا ہے۔ یوں پالیسی سے پروگرام نمودار ہوتا ہے جو نجی، سرکاری اور نجی و سرکاری اشتراک عمل پر مبنی سرمایہ کاری کے لئے باقاعدہ ضوابط کے تحت سازگار ماحول مہیا کرنے کے لئے کام کرتا ہے۔ منڈی کی معیشت میں نجی سرمایہ کاری افزائش کے مرکزی محرک کا کام دیتی ہے۔ لہٰذا سرکاری سرمایہ کاری کلیدی عوامی اشیاء و خدمات کی فراہمی پر کی جاتی ہے جس کے لئے سرکاری ادارے خود کام کرتے ہیں یا نجی اداروں سے خریداری کی جاتی ہے۔ سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان چلنے والے اس سلسلے میں اشتراک عمل کی وسیع گنجائش ہوتی ہے جس سے نہ صرف عوامی اشیاء و خدمات کی فراہمی کے لئے وسائل میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ نجی اداروں کی گنجائش اور سرگرمیوں کی فعالی بھی بہتر ہو سکتی ہے۔

یوں سرکاری سرمایہ کاری شہریوں کی فلاح کو بہتر بنانے میں سب سے زیادہ اثرات مرتب کرتی ہے یعنی اس سے معاشی افزائش میں تیزی آتی ہے، یہ سب کی شمولیت پر مبنی، متوازن اور پائیدار ترقی کی راہ ہموار کرتی ہے، محروم طبقات کا تحفظ کرتی ہے اور رقم کے نعم البدل کو بہتر بناتی ہے۔ یہ سرمایہ کاری نجی سرمائے اور کاروبار میں ہوتی ہے لیکن پھر بھی اس کی بدولت باکفایت اور دیرپا انداز میں عوامی خدمات کی فراہمی ممکن ہوتی ہے۔ سرمایہ کاری کے ناقص فیصلے کمیاب اور قیمتی وسائل کے ضیاع کا باعث بن سکتے ہیں جبکہ کمزور ریگولیٹری ماحول افزائش میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے اور عدم مساوات کو جنم دیتا ہے۔

سرکاری شعبہ - ترقی پر سرمایہ کاری کا سب سے بڑا ذریعہ

دنیا بھر میں اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ عوامی اشیاء و خدمات حکومت کو ہی فراہم کرنی چاہئیں لیکن اس کا دائرہ کار اور حدود ہر جگہ مختلف ہیں۔ سلامتی، انصاف، بنیادی حفظان صحت، تعلیم، سینی ٹیشن، پینے کا صاف پانی اور بنیادی ڈھانچہ عوامی اشیاء و خدمات میں شامل ہیں۔ سرکاری سرمایہ کاری پھر سماجی بنیادی ڈھانچے (مثلاً سکولوں اور ہسپتالوں) اور اقتصادی بنیادی ڈھانچے (مثلاً بجلی اور سڑکیں) کے علاوہ 'سافٹ انفراسٹرکچر' (مثلاً انسانی سرمایہ اور تحقیق و ترقی) پر اٹھنے والے اخراجات کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

سرکاری سرمایہ کاری کم اور متوسط آمدنی والے ممالک میں ترقی پر سرمایہ کاری کا سب سے بڑا اور تیزی سے بڑھتا ہوا ذریعہ ہے۔ "2011 میں ترقی پذیر ملکوں نے ترقی کے لئے سرمایہ کاری پر تقریباً 2.8 ٹریلین ڈالر لگائے جن میں سے 2.3 ٹریلین ڈالر ان کی اپنی حکومتوں نے ملکی ریونیو سے حاصل کئے"[1]۔ جیسے جیسے معیشتوں کی افزائش ہوتی ہے ترقیاتی سرگرمیوں میں بیرونی سرمائے کا حصہ (قرضے اور گرانٹس) مزید کم ہوتا جاتا ہے۔ کم آمدنی والے ایسے ممالک جو بیرونی سرمایہ پر انحصار کرتے تھے، جیسے جیسے متوسط آمدنی والے ممالک کی صف میں شامل ہوتے گئے وہاں اس کے حصے میں کمی دیکھنے میں آئی۔ یوں ترقی پر سرمایہ کاری تقریباً 50 فیصد سے کم ہو کر 25 فیصد سے بھی نیچے آ گئی[2]۔

اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ملکوں میں عمدہ معاشی افزائش کی بدولت یہ رجحان جاری رہنا چاہیئے۔ پاکستان کا شمار دنیا میں سب سے تیزی کے ساتھ افزائش پذیر اولین دس معیشتوں میں ہوتا ہے (5.7 فیصد جی ڈی پی، اکانومسٹ)[3]۔ تاہم جی ڈی پی میں ٹیکسوں کا تناسب مایوس کن حد تک پست ہے جو 2014-15 میں 9.4 فیصد تھا[4]۔ موزوں اصلاحات ہو جائیں تو پاکستان کو اس قابل ہو جانا چاہیئے کہ یہ سرکاری شعبے کے سرمایہ کاری پروگراموں کے لئے ایک پائیدار مالی بنیاد استوار کرنے کے لئے خاطرخواہ حد تک مزید ریونیو پیدا کر سکے۔ سرمایہ کاری کے درست فیصلوں سے جی ڈی پی میں مزید بہتری آنی چاہیئے جس میں افزائش کی استعداد موجود ہے۔

ترقی کے لئے سرمائے کے علاوہ زیادہ وسیع معنوں میں اخراجات کا انحصار بھی لازمی طور پر پالیسی اور ریگولیٹری فریم ورک پر ہوتا ہے۔ 1950 کی دہائی کے اواخر اور 1960 کی پوری دہائی کے دوران پاکستان نے پنجسالہ منصوبوں کے تحت پورے ملک میں مرکزگیز معاشی منصوبہ بندی کا طریقہ اپنائے رکھا جو سرکاری سرمایہ کاری کے لئے رہنمائی کا کام دیتے تھے اور ان میں مکمل طور پر تکنیکی لحاظ سے سوچے سمجھے ترجیحی منصوبے طے شدہ ہوتے تھے۔ اصل باگ ڈور منصوبہ بندی کمیشن کی مرکزی منصوبہ ساز مشینری اور ہاورڈ گروپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس دور کے بعد آہستہ آہستہ مرکزی منصوبہ بندی سے سالانہ منصوبہ بندی، تین سالہ منصوبوں و روسط مدتی فریم ورکس کی طرف منتقلی کے ادوار آئے۔ یہ سب کمزور عملدرآمد اور اطلاق کی لپیٹ میں رہے۔

1985 کے غیر جماعتی انتخابات کے بعد پاکستان میں طرز حکمرانی اور ترقی کا ایک نیا تصور متعارف کرایا گیا۔ اس سے پہلے کے سالوں میں جہاں منتخب ادارے، نجی شعبہ اور سول سروس اپنی استعداد کھو چکے تھے، نئے ترقیاتی ماڈل نے بالخصوص افزائش سے متعلق پروگراموں اور منصوبوں میں سرکاری شعبے کی تکنیکی استعداد مزید کمزور کر دی۔ حالات کا رخ حلقہ کی بنیاد پر ترقی کی طرف مڑ گیا جس سے مائیکرو طرز کی منصوبہ بندی اور مسائل

1 غاراس ہومی۔ Financing for Development: International Financial Flows after 2015۔ اپریل 2014۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.irforum.org/sites/default/files/publications/Retreat%20%234_BP_1_Brookings_draft.pdf

2 ایضاً

3 اکانومسٹ۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.economist.com/indicators

4 مالی پالیسی کا بیان 2015-16۔ http://www.finance.gov.pk/publications/FPS_2015_16.pdf

کے غیر مربوط حل کی راہ ہموار ہوئی۔ گزشتہ دہائیوں کے دوران جہاں سرکاری اخراجات کے جزو کے طور پر ترقیاتی اخراجات میں کمی آئی ہے (جو مالی سال 1989-1985 میں جی ڈی پی کا 5.5 فیصد تھے اور مالی سال 2015-2009 میں کم ہو کر 3.2 فیصد پر آ گئے)[5] وہیں اس سے عوامی بنیادی ڈھانچے کے ساتھ ساتھ انسانی ترقی میں بھی شدید کمی آئی ہے۔ پالیسیوں میں بے دریغ تبدیلیاں اور حکومت کی تبدیلی پر منصوبے ترک کر دینے کا رجحان اس پر مستزاد رہا۔

نظریہ وفاق کا مالی پہلو: صوبوں کے لئے زیادہ وسائل

تاریخی اعتبار سے سرکاری سرمایہ کاری کے لئے صوبوں کا انحصار نقد ترقیاتی قرضوں کی شکل میں وفاقی حکومت پر رہا ہے۔ ساتویں قومی مالیاتی کمیشن (این ایف سی) ایوارڈ کے بعد صوبوں کے پاس زیادہ مالی وسائل آ گئے ہیں اور ان کے پاس ٹیکس کے مواقع بھی زیادہ ہیں۔ ساتویں این ایف سی ایوارڈ میں وفاقی قابل تقسیم پول میں صوبوں کا حصہ 46.25 فیصد سے بڑھ کر 57.50 فیصد تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد سے صوبوں کا حصہ سال در سال مسلسل بڑھ رہا ہے۔ مثال کے طور پر 2011-2010 میں یہ 835 ارب روپے تھا جو 2017-2016 میں بڑھ کر 2044 ارب روپے تک پہنچ گیا[6]۔ صوبوں کو یہ اختیار بھی مل گیا کہ وہ خدمات پر جی ایس ٹی وصول کر سکتے ہیں جس کی وصولی میں عمودی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے (مالی سال 2009 میں یہ جی ڈی پی کے 0.1 فیصد سے کم تھا اور مالی سال 2014 میں یہ جی ڈی پی کے 0.4 فیصد تک پہنچ گیا)[7]۔

اٹھارہویں آئینی ترمیم کے تحت اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی سے صوبے متعدد شعبوں میں بااختیار ہو گئے جس سے شہریوں کی زندگی اور فلاح پر براہ راست اثرات مرتب ہوئے۔ نظریہ وفاق کے اس مالی پہلو کی بدولت صوبوں کو آزادی مل جاتی ہے کہ وہ سرکاری سرمایہ کاری کے لئے سرمایہ پیدا کریں اور اس طرح مختص کریں کہ معاشی ترقی کا عمل تیز ہو اور شہریوں کو خدمات میسر ہوں۔

یہ تبدیلیاں صوبوں کو مالی گنجائش فراہم کرنے اور وفاقی حکومت کی اس بات پر حوصلہ افزائی کے لئے لائی گئیں کہ وہ ریونیو پیدا کرنے کی استعداد بہتر بنائے۔ تاہم کرنٹ اور ترقیاتی اخراجات ریونیو سے زیادہ ہو گئے ہیں جس کے نتیجے میں وفاقی اور صوبائی دونوں سطحوں پر بجٹ خسارے کا سامنا ہے۔ صوبائی ریونیوز کی اکثریت میں کوئی تبدیلی نہ آئی[8] اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے ٹیکس ریونیوز پر زور دیتے وہ وفاقی ریونیوز پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگے۔ مالی خسارے اور مالی استحکام کی سرگرمیوں کا بڑھتا رجحان سرکاری سرمایہ کاری کے وسائل کو کم کر دیتا ہے۔

پنجاب کا ترقیاتی منصوبہ

پنجاب کے ترقیاتی پروگراموں کا احاطہ اس کے سالانہ ترقیاتی پروگرام (اے ڈی پی) اور وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک (ایم ٹی ڈی ایف) میں کیا جاتا ہے۔ سالانہ ترقیاتی پروگرام 18-2017 کی معلومات اور رہنمائی کے لئے حکومت پنجاب نے اے ڈی پی وضع کرنے کی ایک حکمت عملی تشکیل دی ہے جو موجودہ مشکلات اور مواقع کا جائزہ لے رہی ہے۔ محکمہ منصوبہ بندی و ترقی (پی اینڈ ڈی) نے سالانہ ترقیاتی پروگرام وضع کرنے کی پہلی حکمت عملی کا اجراء 2016 کے آغاز میں 'Smarter Investments' کے عنوان سے کیا۔ اس سال کی حکمت عملی میں گزشتہ سال کی حکمت عملی کو مزید مضبوط کیا گیا ہے اور اس میں نجی شعبے کی ترقی کو بھی شامل کیا گیا ہے جس کی بناء پر اسے Catalytic Investments to Trigger Private Sector Growth کا عنوان دیا گیا ہے۔

پنجاب کے سماجی شعبے کے ترقیاتی اخراجات میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ پنجاب کے ترقیاتی پروگراموں اور منصوبوں کی مالیت 550 ارب روپے ہے جو اس سے پہلے 400 ارب روپے تھی جو صوبے کے کل بجٹ کا 38 فیصد بنتی ہے۔ سماجی خدمات پر سرمایہ کاری میں اضافہ ہوا ہے جس نے سرکاری اخراجات کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ مالی سال 17-2016 کے دوران صحت کے شعبے کو صوبائی ترقیاتی بجٹ کا 9 فیصد ملا، تعلیم کو 19 فیصد، زراعت / آبپاشی کو 7 فیصد، پینے کے پانی کی فراہمی اور سینی ٹیشن کو 3 فیصد اور بنیادی ڈھانچے کو 3 فیصد ملا۔ حساس بجٹ سازی کے معاملے میں سالانہ ترقیاتی پروگرام میں صنف پر توجہ دی جائے گی اور صنف کو مرکزی دھارے میں لانے کے پروگراموں پر سرمایہ لگایا جائے گا۔ مالی سال 18-2017 میں اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے تعلیم، صحت، پانی اور سینی ٹیشن خدمات پر اخراجات کی جانب زیادہ جھکاؤ دیکھنے میں آئے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ حکومت پنجاب نے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اپنے ترقیاتی فریم ورک کا ایک جائزہ تیار کیا ہے۔ اس میں ترقیاتی ایجنڈا کو آگے بڑھانے اور ترقیاتی سرگرمیوں کا نظم و نسق بہتر بنانے کے لئے پنجاب کی کوششوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ پالیسی کا روایتی چکر (Cycle) چار مراحل کا تقاضا کرتا ہے: 1. پالیسی تشکیل، 2. قانون سازی اور ریگولیشن پر زور، 3. پروگراموں کی تشکیل، 4. منصوبوں کی تشکیل۔ فی الوقت منصوبہ بندی کے تمام تر عمل کا جھکاؤ ترقیاتی منصوبوں کی تشکیل کے آخری مرحلے کی جانب ہے جو ایک ناقص حکمت عملی ہے کیونکہ الگ تھلگ حیثیت میں بنائے جانے والے منصوبوں میں وسیع النظر ترقی کے مطلوبہ نتائج کا امکان کم ہوتا ہے۔ نئے منصوبے شروع کرنے کے علاوہ اثاثوں کے عمدہ استعمال پر زور دینا اور ثمر آور کارکردگی کے طریقے تلاش کرنا بھی اتنا ہی اہم ہے کیونکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ ماضی میں بنیادی ڈھانچے پر کی گئی سرمایہ کاری کے آپریشنز، دیکھ بھال اور مرمت کے اخراجات کافی زیادہ رہے ہیں۔

حکومت پنجاب نے طرز حکمرانی کا ایک نیا ماڈل اپنایا ہے جس کے تحت پالیسی گفتگو میں نجی شعبے کے ماہرین، تدریسی حلقوں، کاروباری رہنماؤں اور سول سوسائٹی کو ساتھ ملانے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ انفارمیشن کمیونیکیشن ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے عالمی علوم اور مہارتوں کو شہریوں کو بااختیار بنانے اور ثمر آور کارکردگی کے حصول کے لئے بروئے کار لایا جا رہا ہے اور کمپنیوں، اتھارٹیز، ٹرسٹ اور پارٹنر شپ پر مبنی ایک نیا ادارہ جاتی فریم ورک وضع کیا جا رہا ہے۔

آئی ایم ایف کی ایک مطالعاتی تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ سرکاری سرمایہ کاری کے تقریباً 30 فیصد ثمرات اوسطاً سرمایہ کاری عمل میں پائی جانے والی کمزوریوں کے باعث ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس بناء پر حکومت پنجاب معلومات میں شفافیت، ان کے افشاء اور عوام کی ان تک رسائی کے حق پر زور دیتی ہے۔ پلڈیٹ کے بیرونی تجزیہ کے مطابق پنجاب کا طرز حکمرانی رائے عامہ کے نزدیک سب سے بہتر ہے۔ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ میں بھی پاکستان کی بہتر صورتحال کی نشاندہی کی گئی ہے[9]۔

نجی سرمایہ کاری پر زور

سرکاری سرمایہ کاری سے نجی سرمایہ کاری کی نوعیت اور حجم کی تشکیل ہوتی ہے۔ سرمایہ کاری کے لئے ایسا ماحول پیدا کرنا ناگزیر ہے جس میں نجی شعبہ خطرات مول لے سکتا ہو، جدت آمیز طریقے اپنا سکتا ہو اور سرمایہ کاری پر پرکشش منافع حاصل کر سکتا ہو۔ سرمایہ کاری کا سنہرا اصول یہی بتاتا ہے کہ نجی شعبے میں اور نجی شعبے کی طرف سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہو سرکاری شعبے کو وہ کام ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر نجی شعبہ بعض شعبوں اور اشیاء و خدمات میں سرمایہ کاری نہیں کر رہا تو حکومت کی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ وہ ان کے خطرات کم کرے۔ مثلاً جب پاکستان کا نجی شعبہ شمسی توانائی کی منڈی میں قدم رکھنے کے لئے خطرات مول لینے کو تیار نہ تھا تو حکومت پنجاب نے اپنے وسائل کو استعمال کیا اور عام صارفین کے لئے 100 میگاواٹ کا پہلا شمسی توانائی پلانٹ لگایا۔ اس طرح کے کاموں میں کئی طرح کے طویل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جیسے سکیورٹی دستاویزات کا حصول، ٹیرف ایوارڈ وغیرہ۔ اس منصوبے کی گرڈ میں کامیاب شمولیت کے بعد پنجاب کی شمسی توانائی منڈی میں بین الاقوامی اور قومی نجی کمپنیوں کی بھرمار ہو گئی۔ اب تک بہاولپور کے شمسی توانائی پارک میں 300 میگاواٹ کی انسٹالیشن ہو چکی ہے۔

پنجاب گروتھ سٹریٹجی کا مقصد 2018 تک نجی شعبے کی سرمایہ کاری کو دوگنا کرنا ہے۔ پنجاب میں اشیاء و خدمات کی پیداوار میں سے نجی شعبہ پہلے ہی تقریباً 90 فیصد پیدا کر رہا ہے[10]۔ 550 ارب روپے مالیت کا سرکاری سرمایہ کاری پروگرام تیزی سے بڑھتی آبادی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی نہیں ہوگا اور اس لئے نجی شعبے کو افزائش میں مدد دینا ہوگی۔ عمل انگیز کا کام دینے کے لئے حکومتی فنڈز کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ پنجاب کے ترقیاتی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے حکومت پنجاب کو نجی شعبے کی استعداد بہتر بنانے کے لئے جارحانہ انداز میں کام کرنا ہو

---

5 نبی، اعجاز، ڈاکٹر۔ Pakistan's Public Expenditures, Insights & Reflections۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.raftaar.pk/includes/assets/img/Public-Expenditure.pdf

6 ذریعہ: وزارت خزانہ، پاکستان ، بجٹ ان بریف، 2009 تا 2016

7 کنٹرولر جنرل آف اکاؤنٹس، حکومت پاکستان۔

8 قومی مالیاتی کمیشن 2009 کی رپورٹ اور Pakistan Fiscal Operation (مختلف شمارے) سے اس رجحان کی توثیق ہوتی ہے۔

9 Corruption Perceptions Index 2016۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.transparency.org/news/feature/corruption_perceptions_index_2016

10 پنجاب گروتھ سٹریٹجی، http://www.pndpunjab.gov.pk/economic_growth_strategy

گا۔ اس میں نجی شعبے کی راہ ہموار کرنے اور صوبائی معیشت میں اس کا کردار بہتر بنانے کے لئے پالیسی و ریگولیٹری اصلاحات بھی شامل ہیں۔

چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) جس کے تحت 600ارب روپے مالیت کے منصوبوں پر کام ہو رہا ہے، تجارتی چینلز، توانائی کی راہداریاں، اور متعلقہ کاروباری سرگرمیوں کی ترقی کے لئے شاندار مواقع فراہم کرتی ہے۔ پنجاب نے انڈسٹریل پارک قائم کئے ہیں جہاں غیر ملکی سرمایہ کاروں کے لئے پرکشش مراعات اور پالیسیاں وضع کی گئی ہیں جس کی ایک مثال قائد اعظم اپیرل پارک ہے۔ خطے کو بہتر طور پر آپس میں جوڑنے کے لئے تجارتی روٹس کے استحکام، ہمسایہ ملکوں کے ساتھ کاروباری روابط استوار کرنے اور جی ایس پی پلس کے تحت برآمدات کی مسابقتی حیثیت بہتر بنانے سے بھی ریاست کی معاون پالیسیوں کے تحت نجی شعبے کو فروغ ملے گا۔

پنجاب نے بنیادی ڈھانچے کے بڑے منصوبوں کے لئے سرکاری و نجی اشتراک عمل (پی پی پی) کو بھی ترجیحی ماڈل کی حیثیت دی ہے اور پی پی پی ماڈل کے تحت 250ارب روپے مالیت کے منصوبوں پر کام کیا جا رہا ہے۔ عوامی اشیاء و خدمات کی فراہمی کے لئے سرمایہ کاری کے کئی چینلز کی ضرورت ہے اور پی پی پی ماڈل اہم سڑکوں، ہسپتالوں اور پلوں جیسی عوامی خدمات کی فراہمی کا ایک موثر طریقہ ہو سکتا ہے۔ سالانہ ترقیاتی منصوبے کے رہنما اصول 18-2017 میں ہر متعلقہ محکمے کے لئے لازم قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ پی پی پی ماڈل کا کم از کم ایک منصوبہ ضرور تجویز کرے۔ بڑے محکموں مثلاً تعلیم، صحت اور زراعت کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے کہ وہ پی پی پی ماڈل کے زیادہ منصوبے سامنے لائیں۔ اس امر کا اعادہ کیا گیا ہے کہ محکمے خالصتاً عوامی اشیاء و خدمات پر خرچ کریں یا جہاں ضرورت ہو نجی شعبے کی آمد میں درپیش خطرات کم کرنے کے لئے ابتدائی سرمایہ کاری کریں۔

امداد سے زیادہ مہارتوں کے حصول پر زور

حالیہ سالوں میں عطیہ دینے والے اداروں کے حوالے سے پنجاب کا زور امدادی رقم سے زیادہ تکنیکی مہارت اور مختلف شعبوں کے سپیشلسٹ ماہرین کے حصول پر رہا ہے۔ مقامی حکومتیں سرمایہ کاری کے بہترین استعمال پر علوم کی کمی کا شکار ہیں [11]۔ عطیات دینے والے کثیر طرفہ ادارے ایسی صورت میں سب سے زیادہ مفید ہیں کہ ان سے بہترین مروجہ طریقوں پر عالمی علوم حاصل کئے جا سکتے ہیں اور سرکاری ادارے ان کے ساتھ مل کر انہیں مقامی ماحول میں بروئے کار لا سکتے ہیں۔

ترقی کے لئے غیر ملکی سرمایہ کاری کام کی چیز تو ہے لیکن یہ لازمی طور پر سرکاری اداروں کے ساتھ مضبوط اشتراک عمل پر انحصار کرتی ہے۔ مثلاً پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد (ایس ڈی جیز) پر عملدرآمد کی حکمت عملی ہزاریہ ترقیاتی مقاصد (ایم ڈی جیز) کے مقابلے میں یکسر مختلف ہے کہ اس میں ایک طرف یو این ڈی پی اور دوسری جانب صوبائی حکومتوں اور مقامی حکومتوں کے درمیان مضبوط پارٹنرشپ کی بات کی گئی ہے۔ پنجاب جس طرح اپنے سالانہ ترقیاتی پروگرام کی نگرانی کر رہا ہے، نئے فریم ورک تحت ایس ڈی جیز کے اخراجات پر بھی نظر رکھی جائے گی۔ مشترکہ سرمایہ کاری سے عالمی مقاصد کے حصول کی کامیابی کے ساتھ دونوں فریقوں کی وابستگی اور کردار میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایس ڈی جیز، ایم ڈی جیز کے مقابلے میں زیادہ بلند نظر ہیں اس لئے ان اہداف کے حصول کے لئے زیادہ سرمائے اور کوششوں کی ضرورت ہے۔ یہ اضافی سرمایہ نجی شعبے، عطیات دینے والے اداروں کے علاوہ سرکاری شعبے سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یو این ڈی پی اپنے پروگرام 'میپس' (Mainstreaming, Acceleration and Policy Support - MAPS) کے تحت ایس ڈی جیز پر عملدرآمد میں صوبائی حکومتوں کی مدد کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لئے یو این ڈی پی اور پی اینڈ ڈی نے مل کر پنجاب ایس ڈی جیز یونٹ قائم کیا ہے جو ایس ڈی جیز پر عملدرآمد کی سرگرمیوں کو موثر طور پر مربوط بنانے کے لئے صوبائی و ضلعی حکومت، نجی تنظیموں اور دیگر بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز بشمول ڈی ایف آئی ڈی، عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک، جی آئی زیڈ اور اقوام متحدہ کی دیگر تنظیموں کے ساتھ کوآرڈینیشن کر رہا ہے۔

نئی منزلوں کا سفر

آگے کی طرف بڑھتے ہوئے ہمیں اپنی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لئے بنیادی باتوں کا خیال رکھنا ہو گا کہ ہمارے پاس سٹریٹجک منصوبہ بندی کی مضبوط مشینری موجود ہو۔ منصوبوں اور پراجیکٹس کی طرف قدم بڑھانے سے قبل سرکاری پالیسی کے پہلے تین مراحل یعنی پالیسی سازی، قانون سازی و ریگولیشن اور پروگراموں پر زیادہ توجہ دینا ہو گی۔ اس کا نتیجہ منصوبوں پر ایڈہاک انداز میں سرمایہ کاری سے واپسی کی صورت میں برآمد ہو گا اور عوامی سرمایہ کاری کے فیصلوں کو بہتر طور پر وسیع تر سوچی سمجھی ترقیاتی حکمت عملی سے ہم آہنگ بنایا جا سکے گا۔ اصل مقصد ترقی کے بارے میں ایک وسیع النظر سوچ اپنانا اور ملک میں دستیاب تمام وسائل کو استعمال میں لانا ہے۔

اس مقصد کے لئے سرکاری شعبے کو اپنی استعداد بہتر بنانا ہو گی کہ وہ سرمایہ کاری کی ایسی حکمت عملیاں وضع کر سکے جو مکمل معلومات اور دور اندیشی پر مبنی ہوں۔ تحقیق و ترقی پر زیادہ زور دینا ہو گا، سرمایہ کاری حکمت عملی کے سلسلے میں معلومات کے لئے ڈیٹا کا بہتر تجزیہ تیار کرنا ہو گا، اور مرمت و دیکھ بھال اور نگرانی و جانچ پرکھ سمیت موجودہ ڈھانچوں کی بہتر مینجمنٹ کے مضبوط نظام وضع کرنا ہوں گے۔ اس کے علاوہ سرکاری شعبے کو اپنے فریم ورک کی شرائط کو بھی مستحکم بنانا ہو گا یعنی ایک مضبوط ریگولیٹری فریم ورک وضع کرنا ہو گا جس میں پبلک پروکیورمنٹ، پبلک فنانشل مینجمنٹ وغیرہ جیسے امور بھی شامل ہوں۔

ہمیں طویل مدتی سرمایہ کاری کو بھی بہتر طور پر عمل میں لانا ہو گا۔ ترقی کے لئے سرمایہ کاری کے مختلف ذرائع (سرکاری شعبہ، براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری، امداد، تجارت، قرضے وغیرہ) متبادل نہیں بلکہ ضمنی طریقے ہیں۔ اس بناء پر ایک ایسا بیانیہ اپنانے کی ضرورت ہے جو تمام شعبوں کو آپس میں بہتر طور پر ضم کرنے اور ان کے درمیان بہتر کوآرڈینیشن پر زور دیتا ہو۔ ترقی کی اس سوچ کے تحت پھر ہمیں اس نوعیت کی سرمایہ کاری پر زیادہ زور دینا ہو گا جس کے تحت ہر ذریعہ بھرپور طریقے سے کام کر سکے اور زیادہ سے زیادہ افادیت کا باعث بن سکے۔

© UNDP Pakistan

[11] "Recommendation of the Council on Effective Public Investment Across Levels of Government." March 12, 2014. http://www.oecd.org/gov/regional-policy/Principles-Public-Investment.pdf

قرضے اور قرضوں کے لحاظ سے پاکستان کی پائیدار حیثیت

اعتزاز احمد

پروفیسر آن ایس بی پی میموریل چیئر
پشاور یونیورسٹی

پاکستان کا معاشی منظر نامہ اس وقت پوری طرح نہیں تو کسی قدر امید افزاء ضرور ہے. جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہوسکتا ہے کہ جی ڈی پی میں افزائش کی شرح معتدل ہے، افراط زر کی شرح پست ہے، سرمایہ کاری سست رو ہے لیکن بڑھ رہی ہے، روپے کی مالیت زیادہ ہے، توانائی کا شعبہ بحران سے نکل رہا ہے اور طرز حکمرانی کے اشاریے ناقص لیکن معمولی سے بہتر دکھائی دیتے ہیں۔ ملک کو درپیش بڑی مشکلات میں سے ایک یہ ہے کہ باقی ماندہ دنیا کے ساتھ کرنٹ اکاؤنٹ کے لین دین میں اور ملک کے اندر نجی اور سرکاری شعبوں کے درمیان ایک دیرپا توازن کس طرح پیدا کیا جائے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ 1990 کی دہائی کے دوران وسائل کی کمی اور اس کے نتیجے میں قرضوں کے بحران نے پاکستان کو خاصی مشکل صورتحال سے دوچار کر دیا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ معاشی منصوبہ بندی آج بھی بندشوں کا شکار ہے کیونکہ مسائل کو پوری طرح سمجھا نہیں گیا اور اصل لیکن کڑے حقائق کو تسلیم کرنے سے گریز برتا جا رہا ہے۔ قرض کے مسئلے کا دیرپا حل تلاش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ معیشت کے ڈھانچہ جاتی عناصر اور ان معاشی محرکین کی نوعیت پر توجہ دی جائے جو اصل میں قرض لینے کی ضرورت پیدا کرتے ہیں۔ بسا اوقات غیر ملکی قرضہ افزائش کا کوئی ایسا ہدف پورا کرنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے جو ملک میں موجود وسائل کے اندر رہتے ہوئے اور بچت کے رجحان، ٹیکنالوجی کی سطح اور معاشی نظم ونسق کے مروجہ طریقوں پر عمل کرتے ہوئے ممکن نہ ہو۔ لہٰذا غیر ملکی قرضے کی تشریح معاشی افزائش کی اس قیمت کے طور پر کی جاسکتی ہے جب ملک بہتر معاشی نظم ونسق کے ذریعے اپنے مختص وسائل کی افادیت، پیداواری صلاحیت اور بچت کی مقامی شرح بہتر بنانے کے قابل نہ ہو یا اس پر آمادہ نہ ہو۔ لہٰذا مسئلے کے بامعنی تجزیہ کے لئے ملک میں وسائل کی کمی کی نوعیت، بچت کے رجحان اور پیداواری صلاحیت کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اسی بناء پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ملک کی بیرونی قرضوں کی صورتحال ملکی قرضوں کی صورتحال کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ تمام ملکی قرض اور غیر ملکی قرض کا بڑا حصہ چونکہ سرکاری شعبے کے واجبات پر مشتمل ہے اس لئے کل قرضہ (ملکی اور غیر ملکی) کی تشریح ایک بڑے اور غیر فعال سرکاری شعبے کے اخراجات کے طور پر کی جاسکتی ہے۔

تاریخی اعتبار سے پاکستان نے 1947 میں آزادی کے فوراً بعد ہی غیر ملکی امداد، گرانٹس اور نرم قرضے حاصل کرنا شروع کر دیئے تھے۔ 1950 کی دہائی کے دوران جب بیرونی قرضے آسان شرائط وضوابط پر اور دل کھول کر مل جایا کرتے تھے، تو پاکستان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر ملکی قرضوں کی مدد سے اپنے معاشی حالات بہتر بنائے۔ معاشی افزائش کے مروجہ ماڈل مثلاً ہاروڈ ڈومر ماڈل بھی افزائش کے بہتر ثمرات کے لئے قرض لے کر سرمایہ لگانے کی حمایت کرتے تھے۔ اصل خیال یہ تھا کہ مستقبل میں قومی آمدنی میں اضافہ سے خاطر خواہ بچتیں ہوں گی اور برآمد کے قابل سرپلس پیدا ہوگا جس کے ذریعے قرضہ اتارا جاسکے گا۔ 1960 کی دہائی میں افزائش کا تجربہ جی ڈی پی میں اضافہ کی شرح کو چھ فیصد سالانہ سے بھی زائد کی شرح تک پہنچانے میں خاصا کامیاب رہا۔ اگرچہ قرضوں کی اصل مقدار بڑھنے کا سلسلہ جاری رہا لیکن بڑھتے ہوئے جی ڈی پی کے اعتبار سے یہ قابل قبول حدود میں رہی۔ تاہم 1960 کی دہائی کے دوران افزائش کے میدان میں بہتر کارکردگی کا نتیجہ عوام کے بہتر سماجی ومعاشی حالات کی صورت میں برآمد نہ ہوا۔ اس دہائی کے آخر تک کل واجب الادا بیرونی قرضہ تین ارب ڈالر سے کچھ کم تھا۔ کچھ بھی ہوا اگر بعد کے سالوں میں افزائش کی یہی رفتار برقرار رہتی تو بعد کے سالوں میں قرض در قرض کے رجحان کو ختم کیا جا سکتا تھا۔

1970 کی دہائی میں قرض کی صورتحال بیرونی قرضوں میں نمایاں اضافے اور معیشت کی شرح افزائش میں کمی کے باوجود پائیدار رہی جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ بیرونی قرضوں کا اصل حجم ابھی بھی کم تھا اور شرائط وضوابط (شرح سود اور قرضہ چکانے کی مدت) بھی سازگار تھے۔ علاوہ ازیں اس دہائی کے دوران نفع بخش صنعتوں کو قومیانے سے سرکاری شعبے کی مالی پوزیشن عارضی طور پر سہی لیکن مستحکم بنانے میں مدد ملی۔ مزید برآں، اس دہائی کے آخری تین سالوں کے دوران بیرون ملک سے ترسیل زر کے بہاؤ میں نمایاں اضافہ کی بدولت کرنٹ اکاؤنٹ کے بیرونی عدم توازن کا اثر بڑی حد تک زائل ہوگیا جو بصورت دیگر مزید بیرونی قرضوں کا باعث بن سکتا تھا۔

1980 کی دہائی کے دوران افغان جنگ میں پاکستان کے کردار پر اسے ملنے والی امریکی امداد نے کسی ممکنہ مالی بحران کو موخر رکھنے میں پاکستان کی مدد کی۔ تاہم اس عرصہ کے دوران بیرونی قرضے کی ترکیب میں آہستہ آہستہ تبدیلی آتی گئی اور اس نے طویل مدتی سے قلیل مدتی شکل اختیار کر لی اور شرح سود بھی بلند ہوتی گئی۔ اصل شرح سود کے بڑھنے سے داخلی قرضے بھی مہنگے ہوگئے۔ پاکستان کا کل قرضہ 1985 میں جی ڈی پی کا 54 فیصد تھا جو 1986 میں بڑھ کر 62 فیصد اور 1990 میں 70 فیصد تک پہنچ گیا[1]۔ یہ ایک ایسے وقت میں پریشان کن صورتحال تھی جب افغان جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہونے کے بعد امریکی امداد بھی کم ہوتی جا رہی تھی۔ تقریباً اسی وقت سرکاری شعبے کی ملازمتوں میں غیر متناسب اضافہ جس کا سلسلہ بعد کی دہائیوں میں بھی جاری رہا، کے ساتھ ساتھ قومی وسائل کی بدانتظامی اور غلط استعمال نے سرکاری شعبے کے بیشتر یونٹوں کو منافع بخش اداروں سے مالی تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا۔ سرکاری شعبے کے ادارے جہاں ضرورت سے زیادہ ملازمتوں کا شکار تھے وہیں قرضے معاف کرانے اور نادہندگی کے رجحان نے مالیاتی شعبے کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد اگلی دہائی میں جو معاشی بحران آیا وہ ان حالات میں ناگزیر سی بات تھی۔

1990 کی دہائی کے دوران برسر اقتدار آنے والی حکومتوں نے موجودہ قرضوں کو آگے بڑھا کر قرضوں کے بحران کو ٹالنے کی کوشش کی۔ حکومتی اداروں کی زیادہ تر توجہ آئی ایم ایف اور دیگر عطیہ دہندگان کے قرض سمجھوتوں پر مذاکرات اور عطیہ دہندگان کے عائد کئے ہوئے اہداف پورے کرنے پر مرکوز رہی لیکن اس میں بھی وہ زیادہ تر ناکام رہے۔ ہزاریہ کے آخر تک پاکستان نادہندگی کے دہانے پر کھڑا تھا۔

گیارہ ستمبر کے افسوس ناک واقعہ اور اس کے بعد دنیا بھر میں غیر رسمی مالیاتی بہاؤ میں رکاوٹ حائل ہونے سے پاکستان میں رسمی یا باضابطہ طریقوں سے نجی مالیاتی بہاؤ بالخصوص ترسیل زر میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ اس سے قرضے کا بوجھ بڑی حد تک سہل ہوگیا۔ غیر ملکی قرضہ تیزی سے کم ہو کر 2001 میں جی ڈی پی کے 44 فیصد اور 2007 میں 28 فیصد پر آ

1 یہ تخمینے وزارت خزانہ حکومت پاکستان کے اکنامک سروے اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ میں دیئے گئے سرکاری اور سرکاری طور پر ضمانت یافتہ قرض کے ڈیٹا سے اخذ کئے گئے ہیں۔

گیا جبکہ ملکی قرضے بھی کم ہو کر 43 فیصد سے 31 فیصد پر آ گئے۔ کل قرضہ کم ہو کر تقریباً 59 فیصد تک آ گیا جو سال 1986 کے بعد سے اب تک کی پست ترین سطح تھی۔ اس کے بعد قرضہ پھر سے بڑھنا شروع ہو گیا یہاں تک کہ 2016 میں یہ جی ڈی پی کے 68 فیصد تک پہنچ گیا۔ حالیہ رجحان کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ غیر ملکی قرضے 2009 میں 35 فیصد تک بڑھنے کے بعد 2016 میں جی ڈی پی کے 23 فیصد تک مزید کم ہو گئے جبکہ ملکی قرضہ بڑھتا چلا گیا اور 2016 میں 45 فیصد تک پہنچ گیا [2]۔

قرضے پر مبنی پاکستان کی افزائش کی حکمت عملی کے نتائج ملے جلے رہے۔ ایک طرف 1960 سے 2016 کے دوران جی ڈی پی بڑھ کر تقریباً پانچ فیصد کی مرکب سالانہ شرح افزائش تک پہنچ گیا جس کی بدولت فی کس آمدنی میں 3.9 گنا اضافہ ہوا۔ دوسری جانب عوام کے سماجی رہن سہن کے حالات (مثلاً غربت، تعلیم، صحت اور بنیادی شہری سہولیات) میں خاطر خواہ بہتری دیکھنے کو نہ ملی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ قرضے کا بوجھ بڑھنے سے قرض واجبات کی ادائیگی کے بعد حکومت کے پاس بجٹ آپشن بالکل محدود ہو کر رہ گئے۔ اسٹیبلشمنٹ اور قرض واجبات کے اخراجات چونکہ غیر لچکدار تھے تو حکومتوں کو ترقیاتی اخراجات محدود کرنا پڑ گئے۔ خاص طور پر سماجی شعبے کی ترقی کے اخراجات کو بری طرح محدود کر دیا گیا۔

1990 کی دہائی کے دوران قرضوں کو محفوظ حد تک رکھنے میں ناکامی ایک متوقع نتیجہ تھی کیونکہ منصوبہ بندی، نظم و نسق اور طرز حکمرانی کے کلیدی مسائل کو دور کرنے کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ اس کے بعد جو بھی حکومتیں برسر اقتدار آتی رہیں ان کے اندر اس قدر حوصلہ اور اعتماد نہ تھا کہ وہ اس مشکل سے نمٹ سکتیں۔ تاہم 1990 کی دہائی میں پیش آنے والے قرضوں کے بحران سے پاکستان نے کچھ سبق ضرور سیکھے اور قرضوں کو اس حد تک رکھنے کی بعض ٹھوس کوششیں بھی کیں کہ ان سے کسی طور نمٹا جا سکے۔ صدر مشرف کی طرف سے تشکیل دی گئی قرض مینجمنٹ کمیٹی نے قرضوں کی پیمائش، ان کی نگرانی اور مینجمنٹ کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے متعدد اقدامات تجویز کئے [3]۔ قرض کمیٹی کی رپورٹ میں متعدد مسائل بشمول قرضوں کے کمزور ادارہ جاتی نظام، بکھری ہوئی معلومات، اہم محکموں کے درمیان ناقص کوآرڈینیشن اور تربیت یافتہ عملہ کی کمی کی نشاندہی کی گئی۔ رپورٹ میں ایک باضابطہ قرض حکمت عملی، قرض مینجمنٹ کے رہنما اصول اور قرض اور زر مبادلہ کے ذخائر کی طے شدہ حدود اپنانے کی سفارش کی گئی۔ اس رپورٹ نے "مالی ذمہ داری اور قرض حدود کے قانون، Fiscal Responsibility and Debt" 2005 (Limitation Act, 2005) کے لئے بنیاد کا کام دیا جو قرض کی دستوری حدود طے کرتا ہے۔

اس وقت قرض مینجمنٹ کی ذمہ داری بڑی حد تک وزارت خزانہ کے سپرد ہے جس کا اکنامک افیئرز ڈویژن قرض کے طور پر لئے گئے فنڈز کے بہاؤ، قرض واجبات، اور فنڈز کی تخصیص کی نگرانی کرتا ہے اور ان پر نظر رکھتا ہے اور فنڈز کی ادائیگی پر عملدرآمد کے لئے تکنیکی معاونت فراہم کرتا ہے۔ قرض پر پالیسی سازی کا کام فنانس ڈویژن میں کیا جاتا ہے۔ اس کا ایکسپورٹ فنانس ونگ قرضوں سے متعلق متغیرات اور ادائیگیوں کے توازن کے درمیان باہمی تعلق کو پیش نظر رکھتے ہوئے درمیانی اور طویل مدت کی پالیسیوں کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ یوں فنانس ڈویژن کے تشکیل دیئے ہوئے پالیسی فریم ورک کے تحت اکنامک افیئرز ڈویژن عملدرآمد، نگرانی اور ریکارڈ سازی کی ذمہ داریاں انجام دیتا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان قرض سے متعلق اعداد و شمار کا ریکارڈ مرتب کرتا ہے۔ مرکزی نظامت قومی بچت اپنی سکیموں کے ذریعے جمع کئے جانے والے عوامی قرضے پر معلومات قلمبند کرتا ہے۔ وزارت خزانہ میں ہونے والی قرض مینجمنٹ، منصوبہ سازی اور پالیسیوں کا مالی نقطہ نظر سے جائزہ لینے کے لئے اسٹیٹ بینک کے ساتھ اور معاشی مشورے حاصل کرنے کے لئے منصوبہ بندی کمیشن کے ساتھ کوآرڈینیشن کی جاتی ہے۔

اس واضح ڈھانچہ کے باوجود پاکستان قرض مینجمنٹ کے متعدد پہلوؤں کے اعتبار سے پیچھے ہے مثلاً قرض مینجمنٹ کے تمام اداروں کے درمیان کمزور کوآرڈینیشن، فزیبلٹی تجزیہ اور طویل مدتی منصوبہ بندی کا فقدان اور ٹکڑوں ٹکڑوں میں کام کرنے والی سوچ۔ مسائل کے حل کی حکمت عملیوں میں اکثر فوری نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو بیشتر صورتوں میں غیر عملی ہوتے ہیں۔ فیصلہ سازی میں معروضی تجزیہ کے بجائے ذاتی ذہانت و شعور پر انحصار کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ کی طرح سیاسی مقاصد اور مخصوص مفادات سماجی و معاشی امور پر غالب آ جاتے ہیں۔ پاکستان میں چونکہ سیاسی عوامل ہر لمحہ بدلتے رہتے ہیں اس لئے طویل مدتی منصوبوں اور فزیبلٹی رپورٹوں، چاہے وہ پہلے سے موجود ہوں، کو پالیسی سازی اور عملدرآمد کی سطح پر ضروری اہمیت نہیں دی جاتی۔ پاکستان میں قرض مینجمنٹ کے مروجہ طریقوں کی ایک اور خامی جسے پالیسی ساز حلقوں میں شاذ و نادر ہی اجاگر کیا جاتا ہے، ملکی اور غیر ملکی قرض مینجمنٹ کے درمیان کمزور کوآرڈینیشن ہے۔ یہاں تک کہ تدریسی مقاصد کے لئے ہونے والی مطالعاتی تحقیق کی سرگرمیوں میں بھی، سوائے چند ایک کے، غیر ملکی قرضوں کا تجزیہ ایسے معاملے کے طور پر کیا جاتا ہے جس کا ملکی قرضوں سے کوئی تعلق نہیں۔

پاکستان کے اندر قرضوں کی ناقص مینجمنٹ اپنی جگہ، لیکن عطیہ دہندگان نے بھی اس بحران کو بگاڑنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ امدادی پیکجز کے ساتھ جوڑی جانے والی بعض شرائط مطلوبہ ثمرات کو بے اثر کر دیتی ہیں۔ مثلاً بجلی اور قدرتی گیس پر سب سڈی ختم کرنے اور جزوی طور پر انکم ٹیکس کی جگہ اشیاء اور خدمات ٹیکس نافذ کرنے کی پالیسیوں میں انسانی پہلو کو پوری طرح مد نظر نہیں رکھا گیا اور ہو سکتا ہے کہ یہ غریبوں کی فلاح پر منفی اثرات مرتب کریں گی۔

حکومت کی بجٹ صورتحال بہتر بنانے کی بعض کاوشیں مثلاً جی ڈی پی میں خسارے کے تناسب کی ایک حد کا تعین، جی ایس ٹی پر عملدرآمد، ودہولڈنگ ٹیکس اور ٹیکس گوشواروں کی مہم، اتنی زیادہ کامیاب نہیں رہیں۔ پہلی بات، رسد سے متعلق ان پالیسیوں نے معیشت پر مندے کے اثرات مرتب کئے۔ دوسری، قانون کی حکمرانی پر کمزور عملدرآمد کے باعث ٹیکس وصولی کی زیادہ تر مہمات ناکام رہیں۔ درحقیقت جی ڈی پی میں ٹیکس کا تناسب 1980 کی دہائی کے وسط اور 1990 کی دہائی کے وسط میں 12 فیصد تک بڑھنے کے بعد تقریباً 10 فیصد تک نیچے آ گیا۔ اصل میں ٹیکس قوانین کے نفاذ کے ذمہ دار ادارے ٹیکس ڈھانچے میں طے شدہ اصلاحات پر کام کی رفتار برقرار نہ رکھ پائے۔ پوری ملکی معیشت پر یکساں ٹیکسوں کے فقدان اور غیر منصفانہ ٹیکس استثناء کی موجودگی سے ٹیکس والی سرگرمیوں میں اصل سے کم بل ظاہر کرنے اور بغیر ٹیکس والی سرگرمیوں میں اصل سے زیادہ بل ظاہر کرنے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ٹیکس ڈھانچے کو مسخ کرنے کے راستے موجود ہوں اور ادارے کمزور ہوں تو ممکنہ ٹیکس دہندگان اپنے قابل ٹیکس لین دین کو آسانی سے چھپا لیتے ہیں۔

اصل بات جس پر توجہ نہیں دی جاتی وہ یہ ہے کہ اہداف پورے نہ ہونے کا بڑا سبب یہ نہیں کہ پالیسی سازی میں کوئی کوتاہی ہوتی ہے بلکہ اس کا بڑا سبب اداروں کی کمزوری ہے۔ طے شدہ معاشی مقاصد کے اصل ہدف کو حاصل کرنے کے لئے طرز حکمرانی اور اداروں کی تعمیر پر براہ راست توجہ دینے کی فوری اور اشد ضرورت ہے۔ مثلاً عطیہ دہندگان ادارہ جاتی اصلاحات کے اہداف مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ جی ڈی پی میں ٹیکسوں کے تناسب، بجٹ خسارے وغیرہ سے متعلق عددی اہداف مقرر کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ حکومت کو اس طرح کی معاشی سرگرمیوں سے ریلیف ملنی چاہئے جن میں مارکیٹ کی ناکامی کا مقدمہ اتنا مضبوط نہیں ہے اور محض اس لئے نہیں کہ وہ نجکاری سے حاصل ہونے والی رقوم کو قرضوں کی واپسی کے لئے استعمال کرتی رہے اور اس طرح معاشی کارکردگی کو بہتر بنا لے اور یوں مزید قرضوں کی ضرورت کو محدود کر لے۔

پاکستان پر قرض کا بوجھ پائیدار ہے یا نہیں اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ پائیداری کے لئے کس قدر سخت معیار اپنایا جاتا ہے۔ اگر یہ معیار نادہندگی کا خطرہ ہے تو پاکستان کی صورتحال پائیدار ہو سکتی ہے اور گزشتہ تیس سال سے پائیدار ہے کیونکہ قرضوں کا بوجھ 1990 کی دہائی میں پیدا ہونے والے قرض بحران کے بعد طے کی گئی 60 فیصد کی دستوری حد سے اوپر ہے۔ دوسری جانب اگر زیادہ سخت معیار اپنایا جاتا ہے مثلاً برآمدات میں غیر ملکی قرض واجبات کی حد مقرر کر دی جاتی ہے یا حکومتی ریونیو میں کل قرض واجبات کا تناسب مقرر کر دیا جاتا ہے تو قرضوں کی یہی رقم ناپائیدار شکل اختیار کر سکتی ہے۔ پاکستان کے کل قرض واجبات چونکہ 1989 کے دنوں سے ہی وفاقی حکومت کی ٹیکس وصولیوں کے 50 فیصد سے تجاوز کر چکے ہیں (ماسوائے سال 2006 کے) اس لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسٹیبلشمنٹ کے اخراجات کے بھاری بوجھ اور سرکاری شعبے کے اداروں میں نقصانات کے پیش نظر یہ صورتحال حقیقت میں پائیدار نہیں ہے۔

قرضوں کے لحاظ سے پائیداری کے مختلف معیار متعلقہ فریقوں کے لئے مختلف مضمرات کے حامل ہوتے ہیں۔ مثلاً جی ڈی پی میں قرضوں کے

2 یہ تخمینے وزارت خزانہ، حکومت پاکستان کے اکنامک سروے اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ میں دیئے گئے ڈیٹا پر مبنی ہیں۔

3 دیکھیں قرض کمیٹی رپورٹ، وزارت خزانہ۔

تناسب پر حد لگانا سیاسی طور پر منتخب حکومتوں کے لئے موزوں نہیں ٹھہرتا اور نہ ہی اسے عوامی پذیرائی ملتی ہے۔ قرضوں کے لحاظ سے پائیداری کے معیار میں اگر آپ اضافی ٹیکسوں کی بات کرتے ہیں تو ممکنہ ٹیکس دہندگان مثلاً صنعت کار، برآمدی تاجر وغیرہ اس کی مخالفت کریں گے۔ لہٰذا مسئلے کا حل نکالنے کے عمل میں تمام متعلقہ فریقوں کو ساتھ ملا کر ملکی قرضوں کی ازسرنو ڈھانچہ بندی میں ان مسائل کا تعین کرلیا جائے جن پر پالیسی اقدام کی ضرورت ہوتا کہ بحران کی روک تھام اور اس سے نمٹنے کا عمل زیادہ موثر طریقے سے انجام دیا جاسکے اور یقینی بنایا جاسکے کہ قرضوں کی صورتحال پائیدار رہے اور مالیاتی منڈیاں عمدہ طریقے سے کام کرتی رہیں۔

اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ قرض کی صورتحال پائیدار بنانے کے طریقوں کو ملکی حالات کے مطابق ڈھالا جائے۔ پاکستان پر جتنے بھی قرضے ہیں وہ سب تقریباً سرکاری قرضوں کا نتیجہ ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ سال در سال قرض میں آنے والی تبدیلیوں پر کسی کو دھچکا نہیں لگنا چاہئے۔ حکومت یہ سارا قرضہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت لیتی ہے۔ پاکستان میں قرض مینجمنٹ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ قرضہ خاص طور پر ملکی قرضہ ہمیشہ مخصوص منصوبوں سے جڑا ہوا نہیں ہوتا۔ رقم کو چونکہ ایک منصوبے سے اٹھا کر دوسرے منصوبے میں لگایا جاسکتا ہے اس لئے اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ بیرونی قرضہ بھی اسی مقصد کے لئے استعمال ہو گا جس کے لئے یہ حاصل کیا گیا۔ بہت زیادہ قرضوں سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کو پابند بنادیا جائے کہ قرضے کا ایک ایک روپیہ اسی مقصد کے لئے استعمال ہوگا جس کے لئے یہ حاصل کیا گیا۔ علاوہ ازیں، یہ بھی ضروری ہے کہ ہر طرح کے اخراجات کی کیٹیگری میں قرضوں کے تناسب کی ایک بالائی حد مقرر کردی جائے۔ یہ بھی اشد ضروری ہے کہ اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے، ماہرین کی ایک قائمہ کمیٹی بنادی جائے جو قرض مینجمنٹ اور پائیداری کے طریقے وضع اور تجویز کرے۔

عملی طور پر قرض کی پائیداری سے ضروری نہیں کہ قرض کا مسئلہ حل ہو جائے گا کیونکہ پائیداری سے قرض واجبات کم نہیں ہوتے۔ حتمی تجزیہ میں اصل چیز یہ نہیں ہوگی کہ قرضہ لینے کی قیمت کیا ہے بلکہ یہ ہوگی کہ کیا ہمارا ملک قرضوں کی پائیداری کا متحمل ہے۔ اگر قیمت ثمرات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو تو قرضہ نامناسب ہو گا چاہے یہ پائیدار ہی کیوں نہ ہو۔ قرضوں پر دستوری حد کا غلط استعمال ہو چکا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اس بات پر توجہ مرکوز نہیں کی جاتی کہ سرکاری شعبے کا حجم کم کرنے کے مقاصد طے کئے جائیں اور انہیں پورا کیا جائے اور اس کے اداروں کی اصلاح کے ذریعے انہیں فعال اور قابل اعتبار بنایا جائے۔ جب تک عوام کو اپنے اداروں پر اعتماد نہیں ہو گا اور انہیں تسلی نہیں کرا دی جاتی کہ سرکاری وسائل فعال، عمدہ اور سماجی لحاظ سے مناسب انداز میں مختص کئے جا رہے ہیں اس وقت تک معاشی افزائش کے لئے ان وسائل کا دائرہ وسیع کرنے کا کوئی بھی قانونی اقدام یا مہم کامیاب نہیں ہوگی۔

ترقی پر سرمایہ کاری میں نجی شعبے کا کردار

فزہ فرحان

عالمی مشیر برائے سٹریٹجک ترقی

دنیا بھر میں ہونے والی تحقیقی سرگرمیوں سے جہاں یہ بات عیاں ہے کہ سرکاری سرمایہ کاری ترقی کی راہ ہموار کر سکتی ہے وہیں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ حکمت عملی ترقی پذیر ملکوں کے لئے ہمیشہ مثالی ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ عام طور پر بجٹ خسارے کا شکار رہتے ہیں۔ لہٰذا حکومت پر معاشی بوجھ کم کرنے اور اسے متبادل مقاصد پر پیسہ لگانے کا موقع دینے کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ نجی شعبہ قدم بڑھائے اور حکومت کے ایماء پر گھرانوں اور منصوبوں پر سرمایہ لگائے جس میں انتہائی نچلے طبقے کے لئے پائیدار ترقی پر براہ راست توجہ دی جائے۔ نجی شعبے کے پاس ایک راستہ یہ ہے کہ وہ اپنا منافع سماجی ذمہ داری کے تحت معاشرے پر لگائے یا پھر ایک قدم مزید آگے بڑھاتے ہوئے ترقی پر سرمایہ کاری کرے اور ایسے طریقے نکالے جن سے ایک طرف پائیدار ترقی پر سرمایہ کاری ہو اور دوسری جانب اس کے اپنے کاروبار کے منافع میں بھی اضافہ ہو۔ فلاح عامہ کے مفادات یا سماجی ذمہ داری کے منصوبوں جن کے بارے میں تاریخ بتاتی ہے کہ یہ نجی شعبے کی طرف سے معمولی سی سرمایہ کاری کا جواز پیدا کرتے ہیں، کے مقابلے میں موخرالذکر طریقہ ترقی میں نجی شعبے کو ساتھ ملانے کے لئے زیادہ طویل مدتی سوچ کا کام دیتا ہے۔

نجی شعبے میں شاندار استعداد موجود ہے کیونکہ ملکی معیشت میں اس کا حصہ کافی نمایاں ہے۔ پاکستان کی مثال کو ہی لے لیں۔ پاکستان میں نجی شعبہ اشیاء اور خدمات کی پیداوار میں ایک مضبوط کردار کی حیثیت رکھتا ہے بالخصوص 1970 کی دہائی کے بعد سے کہ جب پاکستان میں نیشنلائزیشن کا ایک مختصر سا دور آیا۔[1]

ایشیائی ترقیاتی بینک کے ایک تجزیہ کے مطابق متعلقہ عوامل پر مبنی لاگت کے اعتبار سے جی ڈی پی میں نجی شعبے کا حصہ کل جی ڈی پی کے 84 فیصد کے لگ بھگ ہے۔[2] غیر رسمی معیشت کو بھی اس میں شامل کر لیں تو جی ڈی پی میں اس کا حصہ اس سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔ ایشیائی ترقیاتی بینک کا مزید کہنا ہے کہ پاکستان میں زرعی شعبے کی شکل میں جی ڈی پی کا 20.9 فیصد مکمل طور پر نجی شعبے کی ملکیت میں ہے۔ علاوہ ازیں ٹیکسٹائل جو کارخانہ سازی کے شعبے کا 46 فیصد بنتا ہے، پاکستان میں سو فیصد نجی شعبے کے تحت آتا ہے۔ کمرشل بینکاری شعبے کا 77 فیصد سے زائد بھی نجی شعبے کی ملکیت ہے۔[3] لہٰذا یہ بات طے ہے کہ پاکستانی معیشت پر نجی شعبے کے نقوش نمایاں ہیں اور وہ پائیدار ترقی کے اس ایجنڈا، جس پر کام جاری ہے، میں اپنا کردار ادا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔

نجی شعبے کے ادارے بھی بالعموم ٹیکنالوجی سے لیس ہیں اور بیہم وسائل کے عمدہ استعمال اور جدت پر کام کر رہے ہیں۔ ترقی پر مالی سرمایہ کاری میں نجی شعبے کا سب سے اہم کردار ہمارے سامنے اس حقیقت کی شکل میں موجود ہے کہ بڑی کارپوریشنیں عمدہ طریقوں کے رجحانات اور معیارات طے کرنے میں مضبوط کردار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس سیاق و سباق میں بنگلہ دیش کا گرامین بینک ایک نمایاں مثال ہے جو غیر مراعات یافتہ طبقات کے لئے سود کے تحت مالی خدمات کی شکل میں ترقی کے عمل میں نجی شعبے کی بالکل براہ راست شمولیت کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ مائیکرو فنانس بینک اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ نجی مالی ادارے ایک طرف لوگوں کو با اختیار بنانے کے مقصد کے تحت افراد اور گھرانوں کو سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں اور دوسری جانب منافع بھی کما سکتے ہیں۔ مزید برآں، اس وقت بامنافع مائیکرو فنانس کی ایک تحریک چل نکلی ہے جسے کئی کارپوریشنیں اپنا رہی ہیں۔ کل اثاثوں کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑی کارپوریشن بینک رکیات آف انڈونیشیا (بی آر آئی) ہے۔ بی آر آئی کے مائیکرو فنانس سے متعلق کل اثاثوں کی مالیت تین ارب ڈالر سے زائد ہے۔[4] اصل بات یہ ہے کہ ہمارے کمرشل بینک اس کاروباری ماڈل کے تجربات سے سیکھیں کیونکہ ریٹیل مارکیٹ میں ان کی موجودگی کافی زیادہ ہے اور وہ اپنی اس رسائی کو استعمال میں لاتے ہوئے آبادی کے نچلے طبقات تک پہنچ سکتے ہیں اور ساتھ ہی منافع بھی کما سکتے ہیں۔

ایک اور مثال جو نجی شعبے کی سرمایہ کاری اور معاشی ترقی کے درمیان مثبت باہمی تعلق کی عکاسی کرتی ہے، پاکستان کے علاقے سیالکوٹ کی کاروباری برادری کی ہے۔ اس شہر کے نجی شعبے نے اپنے وسائل ایک جگہ جمع کر کے شہر کے لئے ایک بین الاقوامی ایئر پورٹ اس نقطہ نظر سے تعمیر کیا کہ قومی سطح پر عالمی تجارت میں اس کا حصہ بڑھے گا۔ آج یہ شہر پاکستان کے سب سے بڑے برآمدی مراکز میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ان لاتعداد مثالوں میں سے محض چند ایک ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ نجی شعبے کی طرف سے ترقی پر سرمایہ کاری کس طرح عظیم تر معاشی ترقی کی تحریک پیدا کر سکتی ہے۔

اپنی فلاحی سرگرمیوں کے ذریعے یہ شعبہ جس طرح حکومت کی مدد کر سکتا ہے اس کے پیش نظر ترقی میں نجی شعبے کے کردار کو مزید نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ بلکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان رکاوٹوں کی نشاندہی کریں جن کی وجہ سے نجی شعبے کی کئی کارپوریشنیں ترقی پر سرمایہ کاری سے دور رہتی ہیں، ان اداروں کو اپنی حدود سے باہر نکلنے میں مدد دیں اور نجی شعبے کی ایسی کاوشوں کی حوصلہ افزائی کریں جو ترقی پر سرمایہ کاری میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

پاکستان میں نجی شعبے کی بعض کمپنیوں بشمول اینگرو کارپوریشن، اینگرو فوڈز، نیسلے پاکستان لمیٹڈ، چنار شوگر ملز لمیٹڈ، ٹیلی نار اور یونی لیور کے ساتھ کی گئی ایک مطالعاتی تحقیق میں پتہ چلا کہ نجی شعبے کے ادارے پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد (ایس ڈی جیز) پر بھی اپنا کردار ادا کرنے کو تیار ہیں لیکن ان کے لئے مراعات کا فقدان ہے۔ نجی شعبے کی کمپنیاں اکثر ترقی پر سرمایہ کاری کے کمرشل فوائد سے بے خبر ہوتی ہیں اور انہیں محض اپنی سماجی ذمہ داری کا حصہ سمجھتی ہیں۔ اس امر کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ کاروباری ادارے پوری طرح سمجھیں کہ بنیادی کاروباری ماڈل میں تبدیلی کے طور پر ایس ڈی جیز کے منصوبوں پر سرمایہ کاری وقت کے ساتھ ان کے اپنے کاروبار کے لئے بھی ثمرات لائے گی۔ عام خیال یہ تھا کہ نجی شعبے کی کاوشوں میں کاروبار کا فلاحی ماڈل فرسودہ ہو چکا ہے اور

1 اے ڈی بی، پاکستان کنٹری پارٹنر شپ سٹریٹجی۔ Country Partnership Strategy: Pakistan, 2015-2019۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.adb.org/sites/default/files/institutional-document/171824/cps-pak-2015-2019.pdf

2 اے ڈی بی، پاکستان کنٹری پارٹنر شپ سٹریٹجی۔ Country Partnership Strategy: Pakistan, 2015-2019۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.adb.org/sites/default/files/institutional-document/171824/cps-pak-2015-2019.pdf

3 اے ڈی بی، پاکستان کنٹری پارٹنر شپ سٹریٹجی۔ Country Partnership Strategy: Pakistan, 2015-2019۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.adb.org/sites/default/files/institutional-document/171824/cps-pak-2015-2019.pdf

4 مارگوراٹ ایس رابنسن (2005)۔ Why the Bank Rakyat Indonesia has the world's largest sustainable microfinancing system۔ جو یہاں سے دستیاب ہے Available at: https://www.microfinancegateway.org/sites/default/files/mfg-en-case-study-why-the-bank-rakyat-indonesia-has-the-worlds-largest-sustainable-microbanking-system-2005.pdf

بنیادی طور پر ساراز ور منافع اور پائیداری پر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر کاروباری ادارے کو معاشی لحاظ سے قابل عمل اور منافع بخش کاروباری ماڈل پر کام کرنا چاہیئے جس سے بیک وقت ملک کی ترقی پر بالعموم سرمایہ کاری ہو اور کاروبار کو بھی منافع ملے۔ بیک وقت ایسا کرنے سے کاروبار جن مواقع سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ان کے بارے میں آگاہی کا فقدان ہے۔

مزید برآں، کارپوریشنیں اپنے وسائل ترقی پر لگانے کو تیار ہیں لیکن مالی رکاوٹوں کو اکثر نقطہ انخلاء کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ، عالمی بینک اور ڈی ایف آئی ڈی جیسے اداروں کو چاہیئے کہ وہ قدم بڑھائیں اور نجی شعبے کے کاروباری اداروں اور نجی مالیاتی اداروں کے درمیان پل کا کردار ادا کریں۔ ان اداروں کے لئے ایک سادہ سا طریقہ یہ ہے کہ وہ کاروباری اداروں کے لئے ترقی کے میدان میں ضامن کا کردار ادا کریں جس سے مالیاتی اداروں کی تسلی ہو جائے گی کہ اگر سماجی سرمایہ کاری میں کہیں کوئی نادہندہ ہوتا ہے تو یہ ادارے ان کے نقصان کو پورا کر دیں گے۔

اسی عمل کو مزید ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے نجی شعبے کے جو ادارے ان منصوبوں پر اپنا سرمایہ لگائیں انہیں ان پر مراعات دی جائیں۔ نجی شعبے کے لئے سب سے بڑی ایک رعایت یہ تسلیم کی جاتی ہے کہ کارپوریشنیں اس بناء پر ترقی میں سرمایہ لگانے کو تیار ہوتی ہیں کہ انہیں قابل ذکر ٹیکس مراعات دی جائیں۔ مزید برآں اس سرمایہ کاری کو ایک باقاعدہ برانڈ کی شکل دی جائے اور اسے مزید قوت دینے کے دیگر طریقے اپنائے جائیں۔ اس کی ایک مثال ایس ڈی جی پر سالانہ تقریب ہو سکتی ہے جس میں نجی شعبے کی مختلف کارپوریشنوں کے نمائندے جمع ہوں اور ایس ڈی جی کے تحت ہونے والی سرمایہ کاری کا اعتراف کیا جائے۔ اعتراف کے یہ طریقے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے بہت ضروری ہیں کہ متعلقہ ادارے کی سرمایہ کاری اور خدمات کو ایک باوقار انداز میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے رجحانات کو رواج دینے سے دیگر کاروباری ادارے بھی کوشش کریں گے کہ یہ اعزاز حاصل کرنے والے کاروباری اداروں کے طریقے اپنا کر ان کے برابر آئیں۔

نجی شعبے میں ڈویلپمنٹ فنانس انسٹی ٹیوٹس (ڈی ایف آئیز) کے کردار میں بھی تبدیلی لا کر یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ ترقیاتی مقاصد کے لئے کام کرنے والے سرمایہ کاروں پر سرمایہ لگانے اور ان کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ اگر ڈی ایف آئیز اس خیال کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہو جائیں کہ ترقیاتی ایجنڈا پر فعال انداز میں کام کرنے والے کاروباری اداروں کی نہ صرف مدد کی جاتی ہے بلکہ وہ انہیں ترجیحی حیثیت بھی دیتے ہیں تو مزید کاروباری اداروں میں اعتماد پیدا ہو گا اور وہ بھی ترقی پر سرمایہ کاری کے طریقے اپنائیں گے۔

سب سے اہم کام شاید نجی شعبے کے ان کھلاڑیوں کو ساتھ ملانا ہے جو ترقیاتی شعبے میں فعال طریقے سے کام کر رہے ہیں تاکہ وہ مل کر ایسے کاروباری ماڈلز پر باقاعدہ حکمت عملی تیار کر سکیں جو کمرشل اعتبار سے قابل عمل اور منافع بخش ہوں اور ساتھ ساتھ ترقی پر سرمایہ کاری میں بھی اپنا کردار ادا کریں۔ منصوبوں کا رخ اس انداز میں ہونا چاہیئے کہ یہ کلیدی کاروباری اقدار اور مروجہ طریقوں سے ہم آہنگ ہوں اور بیک وقت معیشت کے ترقیاتی شعبے میں بھی کام کریں۔ گھانا میں کوکو کے کاشت کاروں کی زندگیاں بہتر بنانے کے لئے کیڈبری کی پارٹنرشپ ایک ایسی عالمی مثال ہے جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کاروباری ماڈل میں کس طرح تبدیلی لا کر منافع اور پائیدار ترقی دونوں مقاصد پر کام کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصے میں کوکو کی پیداوار میں کمی آئی ہے جس کے ساتھ اجرتیں بھی کم ہو رہی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نئی نسل کوکو کی کاشت کاری سے دور ہو رہی تھی۔ کیڈبری نے کوکو کی کاشت کاری میں پارٹنرشپ کا ایک کاروباری ماڈل تیار کیا جس میں سب کا فائدہ تھا۔ اس ماڈل کے تحت پیداوار کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ترقیاتی سرمایہ کاری کی گئی جس میں گھانا کے لوگوں کے لئے بنیادی ڈھانچے، تعلیم اور عام ذرائع معاش کی سہولیات بہتر بنانے پر توجہ دی گئی۔[5] اس پروگرام کی بدولت کمپنی کو امید ہے کہ پیداوار کی موجودہ سطح 400 کلو گرام کوکو فی ہیکٹر سے بڑھ کر 2018 میں ایک ہزار کلو گرام فی ہیکٹر تک پہنچ جائے گی۔ فیئر ٹریڈ میں کوکو پارٹنرشپ کی سرمایہ کاری سے 350 ملین ڈالر سالانہ کے اضافی ریونیوز متوقع ہیں۔ ترقی پر مرتب ہونے والے اثرات کے اعتبار سے کوکو کاشت کرنے والی سو کمیونٹیز کے دس ہزار کسانوں اور ان کے خاندانوں کے علاوہ گھانا میں کاشت کاروں کے ایک کوآپریٹو ادارے کواپا کوکو کے 55 ہزار ارکان کی زندگیوں پر اس کاروباری ماڈل نے اپنا اثر دکھایا ہے۔ اس طرح کے کاروباری ماڈلز سے ظاہر ہوتا ہے کہ پائیداری اور منافع دونوں ایک ساتھ ممکن ہیں جو بحیثیت مجموعی کمیونٹیز اور کمرشل ویلیو چین پر بھی براہ راست اثرات مرتب کرتے ہیں۔

یہ امر بھی ناگزیر ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو ایسے کاروباری ماڈلز کی طرف منتقل کریں جن سے سماجی فوائد اور کاروباری منافع دونوں ایک ساتھ حاصل ہوں۔ اس مقصد کے لئے ''سوشل انٹرپرائز'' ایک بہترین کاروباری ماڈل ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو ایسی کاروباری سرگرمیوں پر توجہ دینی چاہیئے جو ایک طرف معاشرے اور محروم طبقات کے لئے فائدہ مند ہوں اور دوسری جانب حصص داران کو ان سے مالی منافع حاصل ہو۔ بخش انرجی پرائیویٹ لمیٹڈ نے عام لوگوں کے لئے قابل تجدید توانائی کے پائیدار حل فراہم کرنے پر کام کیا جس میں بیک وقت اس بات کو بھی یقینی بنایا گیا کہ حصص داران کو ان کی سرمایہ کاری پر منافع بھی ملے۔

اس طرح کے سوشل انٹرپرائز پائیداری اور منافع کے بندھن کا مستقبل ہیں۔ مزید برآں، نجی شعبے کی سرگرمیوں میں تحقیق و ترقی کو شامل کرنا بھی اشد ضروری ہے جو جدت اور تکنیکی مہارت کو استعمال میں لاتے ہوئے سماجی لحاظ سے فائدہ مند منصوبوں کو آگے بڑھائے اور ساتھ ساتھ معاشی افزائش و ترقی کو بھی فروغ دے۔ پاکستان میں نیا کاروبار شروع کرنے

> نجی شعبے کے ذریعے پائیدار ترقی کے حوالے سے ایک اور شاندار مثال IKEA کی ہے۔ IKEA سوشل انٹرپرینیورشپ انیشیٹیو نے متعدد پارٹنرشپس تشکیل دینے پر حوصلہ افزائی کی ہے جس کی بدولت سماجی شعبے میں کام کرنے والے کئی کاروباری افراد نے اپنا کاروبار آگے بڑھایا ہے۔ اس کی بدولت IKEA نے روزگار کے مواقع اور معاشی افزائش میں اضافہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی کاروباری سرگرمیوں سے چونکہ سماج کا فائدہ ہوتا ہے اور تبدیلی آتی ہے اس لئے یہ صحت اور تعلیم جیسے شعبوں میں دیگر سماجی فوائد کا بھی باعث بنے ہیں۔

والے نوجوانوں میں خاص طور پر یہ استعداد موجود ہے کہ وہ ان پہلوؤں کو یکجا کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس تخلیقی سوچ ہے، مہارتیں ہیں اور ٹیکنالوجی بھی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں پائیدار معیشت کے وژن سے روشناس کرایا جائے اور سب کی شمولیت پر مبنی کاروباری ماحول کی طرف لایا جائے۔

5 Cadbury Cocoa Partnership: Improving Productivity and Farmer's Incomes۔ بزنس کال ٹو ایکشن۔ جو یہاں سے دستیاب ہے:
http://www.businesscalltoaction.org/wp-content/files_mf/1286825168BCtACadburyCocoaPartnershipCaseStudy.10.10.2010ForWeb.pdf

ترقی پر سرمایہ کاری کے جدت آمیز طریقے

روشانے ظفر

بانی و مینیجنگ ڈائریکٹر
کشف فاؤنڈیشن

ماضی پر نظر دوڑائیں تو ترقی پر لگائے جانے والے فنڈز میں بیرون ملک سے ملنے والی ترقیاتی امداد، بینکنگ سنڈیکیٹس سے ملنے والے قرضے اور براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری شامل رہے ہیں۔ تاہم یہ طریقے ترقی کے لئے سرمایہ کی مانگ کو پورا نہیں کر پائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فی الوقت ترقی پر سرمایہ کاری بین الاقوامی طور پر طے شدہ بنیادی معیارات سے کہیں پیچھے ہے اور جب ترقیاتی مقاصد مثلاً پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد پورے کرنے کے لئے رقوم کا بہاؤ بہتر بنانے کی بات آتی ہے تو "جہاں سے ملے" والی سوچ اپنانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس سیاق و سباق میں ترقیاتی فنڈز کی ضروریات پوری کرنے کا ایک عملی طریقہ جدت آمیز سرمایہ کاری ہے جس میں زیادہ فنڈز حاصل کرنے کے غیر روایتی طریقے آ جاتے ہیں۔

گزشتہ دو دہائیوں کے دوران سرمایہ لگانے کے جو جدت آمیز طریقے وضع کئے گئے ہیں ان میں سے دو یعنی "اثرات پر مبنی سرمایہ کاری" (Impact Investing) اور "صنفی نقطہ نظر سے سرمایہ کاری" (Gender Lens Investing)، سب سے اہم ہیں جو کافی ثمر آور ثابت ہو سکتے ہیں۔ اثرات پر مبنی سرمایہ کاری سے پہلے اسی طرح کا ایک اور طریقہ 'ایکیومن فنڈ' (Acumen Fund) تھا۔ اس کی تعریف ایسی کمپنیوں، جو معیاری تعلیم، صاف توانائی، حفظان صحت کی خدمات اور پینے کے صاف پانی کی فراہمی پر کام کر رہی ہوں، کو ابتدائی مراحل میں دیئے جانے والے طویل مدتی قرضہ اور ایکوئٹی سرمایہ کاری کے طور پر کی جاتی ہے۔ سرمایہ کاری کی پیمائش دونوں لحاظ سے کی جاتی ہے کہ جہاں جہاں مارکیٹ خدمات فراہم کرنے میں ناکام رہی وہاں کس قدر سرمایہ لگایا گیا اور سرمایہ لگانے والے اور اس سے مستفید ہونے والے دونوں کو طویل مدتی اعتبار سے کس قدر فائدہ ہوا اور آخر میں کوئی سماجی مسئلہ کس حد تک حل ہوا مثلاً کم آمدنی والے صارفین کے لئے پینے کے صاف پانی کا مسئلہ کس حد تک دور کیا گیا۔ لہٰذا اثرات پر مبنی سرمایہ کاری میں سرمائے کی منڈی کے ایسے روایتی منصوبے بھی آ جاتے ہیں جن کے ذریعے سماجی مسائل کا دیرپا انداز میں ازالہ کیا جاتا ہے۔ ایک عمدہ مثال 2007 میں کینیا میں ڈی لائٹ میں ایکیومن کی سرمایہ کاری کی ہے جس کے نتیجے میں ڈی لائٹ نے 62 ممالک میں پانچ کروڑ سے زائد صارفین کو باکفایت صاف روشنی فراہم کی۔ پاکستان کی بات کریں تو یہاں مائیکرو، چھوٹے اور درمیانی کاروباری اداروں (ایم ایس ایم ایز) کے لئے 'اینجل فنڈز' (Angel Funds) اور ایکوئٹی فنڈز (Equity Funds) قائم کئے گئے ہیں جن کے نتائج ابھی سامنے آنا باقی ہیں۔ 2016 میں یو ایس ایڈ نے دس کروڑ ڈالر کی لاگت سے 'پاکستان پرائیویٹ انوسٹمنٹ انیشیٹو' (Pakistan Private Investment Initiative) کا آغاز کیا جس میں تین ایسے فنڈز شامل ہیں جن کا انتظام نجی طور پر چلایا جا رہا ہے تاکہ ملک میں روشن امکانات دکھانے والے ایم ایس ایم ایز میں سرمایہ کاری کی جا سکے۔ فنڈ کا مقصد ان مالی رکاوٹوں پر قابو پانا ہے جو نیا کاروبار شروع کرنے والی کمپنیوں کو پیش آتی ہیں اور دوسری جانب ان سے تمام شعبوں میں افراد کے لئے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔

مزید برآں، 'صنفی نقطہ نظر' سے سرمایہ کاری پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد پر مثبت اثرات مرتب کرنے کا ایک اہم طریقہ ہے جو بذات خود ترقی پر جدت آمیز سرمایہ کاری کا ایک اہم پہلو ہے۔ یہ نکتہ اس لحاظ سے مزید اہم ہو جاتا ہے کہ خواتین کی پیداواری صلاحیت اور ذرائع معاش پر سرمایہ کاری کے بغیر غربت میں کمی کا مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ گزشتہ چند دہائیوں کے عرصے میں غربت نے ایک نسوانی رنگ بھی اختیار کر لیا ہے جس کا سبب یہ حقیقت ہے کہ خواتین مردوں کے مقابلے میں کم کماتی ہیں، ان کے باقاعدہ افرادی قوت میں شامل ہونے کا امکان کم ہوتا ہے اور انہیں تعلیم یا تکنیکی مہارتوں تک رسائی ملنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ پاکستان میں افرادی قوت میں شرکت کے موجودہ تناسب پر نظر دوڑائیں تو خواتین میں یہ تناسب 24.6 فیصد اور مردوں میں 82.9 فیصد ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو ملازمت ملنے کا امکان 3.3 گنا کم ہے [1]۔ اس پر مستزاد یہ کہ اثاثوں خاص طور پر اراضی پر خواتین کا کنٹرول اور ملکیت امتیاز کا شکار ہے جبکہ ثقافتی اور سماجی رکاوٹوں کی وجہ سے ان کے لئے راستے مزید محدود ہو جاتے ہیں۔ 2012 میں کی گئی ایک مطالعاتی تحقیق میں سامنے آیا کہ اگر خواتین کی ملازمت کی شرح مردوں کے برابر ہو جائے تو کئی ترقی پذیر ملکوں کے جی ڈی پی میں 30 فیصد تک اضافہ ہو سکتا ہے [2]۔ اقتصادی لحاظ سے خواتین کی برابر حیثیت یقینی بنانے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ خواتین کے لئے معاشی مواقع پیدا کئے جائیں اور ان پر سرمایہ کاری کی جائے۔

صنفی نقطہ نظر والی اسی سوچ کو پائیدار ترقی کے دیگر عالمی مقاصد پر بھی لاگو کرنا ضروری ہے۔ ورلڈ اکنامک فورم کی طرف سے 2016 کے لئے اصناف کے درمیان فرق کی رپورٹ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ: "صنفی برابری کو فروغ دینے کے لئے واضح اقدار پر مبنی ایک مقدمہ موجود ہے۔ خواتین دنیا کی آبادی کا نصف ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ صحت، تعلیم، معاشی شمولیت اور آمدنی کی استعداد کے علاوہ سیاسی فیصلہ سازی تک بھی برابر رسائی کی حقدار ہیں"۔ اسی تجزیہ کی رو سے اصناف کے درمیان فرق کے مجموعی انڈکس میں دنیا کے 144 ملکوں میں پاکستان کا رینک 143 ہے اور معاشی شمولیت کے انڈکس میں بھی پاکستان 143 ویں نمبر پر ہے جبکہ حصول تعلیم اور صحت کے انڈکس میں معمولی سا بہتر یعنی بالترتیب 135 ویں اور 124 ویں نمبر پر ہے [3]۔

اس بناء پر یہ تجزیہ معیار اور عمل دونوں اعتبار سے خواتین اور لڑکیوں کی زندگیوں پر سرمایہ کاری کا منفرد پیمانہ طے کرنے کے لئے بھی اہم ہے۔ 'صنفی نقطہ نظر' سے سرمایہ کاری کے تصور کا تعلق آج کے دور سے بنتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا بھر میں سرمائے تک خواتین کی رسائی کم ہے۔ 1995 میں جب میں نے چھوٹا کاروبار کرنے والی خواتین کے لئے پہلا سپیشلائزڈ مائیکرو فنانس ادارہ قائم کرنے کے سلسلے میں سرمایہ تک رسائی کے میدان میں کام شروع کیا تو چھوٹے قرضوں پر لگائے جانے والے ہر ایک ڈالر پر صرف 20 فیصد فنڈز ایسے تھے جو خواتین کی زیر قیادت چھوٹے کاروباری اداروں کو جا رہے تھے۔ خواتین دوست

1 جدول 5، صنفی برابری انڈکس، صفحہ 226، ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ 2015۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://hdr.undp.org/sites/default/files/2015_human_development_report.pdf

2 بوز اینڈ کمپنی، Empowering the Third Billion: Women and the World of Work in 2012۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.hrtoday.ch/sites/hrtoday.ch/files/article_inline_images/BoozCo_Empowering-the-Third-Billion_Full-Report.pdf

3 ورلڈ اکنامک فورم، Global Gender Gap Report۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://reports.weforum.org/global-gender-gap-report-2015/

مالی شمولیت اور معاشی افزائش

عثمان نعیم، فرح سید

محروم طبقات کو پست پیداواری سرگرمیوں سے بلند پیداواری سرگرمیوں کی طرف منتقل کرنے کے نتیجے میں پائیدار اور سب کی شمولیت پر مبنی معاشی افزائش ہوتی ہے۔ اس ضمن میں مالی شمولیت کو ایسا اہم پالیسی اقدام قرار دیا جاتا ہے جس کے تحت محروم اور اخراج کا شکار طبقات کو سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے۔ انٹرنیشنل گروتھ سنٹر کے پاکستان پروگرام کی تحقیقی سرگرمیوں میں ایسے محروم طبقات جنہیں زیادہ تر رسمی بینکاری اداروں کی خدمات میسر نہیں ہوتیں، کے لئے سرمایہ تک رسائی بہتر بنانے پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے اور سرمائے تک رسائی اور پائیدار معاشی افزائش کو آپس میں جوڑا جاتا ہے۔ درج ذیل کیس سٹڈی ایسی ہی ایک مثال ہے۔

کیس سٹڈی کا عنوان: "آڑھتی کون ہے": زرعی رسد کے سلسلے میں کمیشن ایجنٹ کے کردار کو سمجھنے کی ایک کاوش۔ (F-37042-PAK-1)
مصنفین: ابان حق، عمل اسلم، عقیل اے چودھری، اسد نصیر، کبیر محمد، خالد مشتاق، ماہین ایس فاروقی۔

پس منظر: زرعی شعبہ پاکستان کی معیشت میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جی ڈی پی میں اس کا حصہ تقریباً 24 فیصد ہے، برسرروزگار نصف افرادی قوت کو اس شعبے سے روزگار ملتا ہے اور یہ زرمبادلہ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے (پی بی ایس، 2017)۔ تاہم گزشتہ چند سالوں میں بیشتر فصلوں کی پیداوار جمود کا شکار رہی ہے اور عمدہ کارکردگی دکھانے والے ملکوں کے مقابلے میں پیداوار کا فرق بڑھتا گیا ہے۔ علاوہ ازیں زراعت کے لئے رسمی کریڈٹ کا بہاؤ معیشت میں اس شعبے کے کردار سے ہم آہنگ نہیں ہے جہاں رسمی ادارے محض 39 فیصد ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ کریڈٹ کی باقی مانگ غیر رسمی سرمایہ کار یا آڑھتی (درمیانی کردار) پوری کرتے ہیں۔ وقت کے ساتھ آڑھتی نظام اس قابل ہوگیا ہے کہ خطرات سے موثر انداز میں نمٹ لیتا ہے اور ایک ایسی مارکیٹ میں خاطرخواہ منافع کما رہا ہے جہاں رسمی بینک قدم رکھنے سے گریزاں ہیں کیونکہ اس میں خطرہ بہت زیادہ ہے۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف بینکنگ اینڈ فنانس (این آئی بی اے ایف) اور پاکستان مائیکروفنانس نیٹ ورک (پی ایم این) نے مل کر آئی جی سی کی مدد سے ایک مطالعاتی تحقیق کی ہے جس کے ذریعے پنجاب میں آڑھتی نظام اور زرعی رسد کے سلسلے میں اس کے کردار کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مطالعاتی تحقیق میں آڑھتی نیٹ ورک، اس کی سرگرمیوں، سرمایہ اور خطرات سے نمٹنے کے طریقوں کو سمجھنے کے لئے فیلڈ انٹرویو کئے گئے تاکہ آڑھتی ماڈل سے سبق حاصل کرتے ہوئے ایسے پائیدار طریقے تجویز کئے جاسکیں جن کے ذریعے ادارہ جاتی کریڈٹ کو زرعی شعبے میں لایا جاسکے۔

تحقیق سے حاصل ہونے والی معلومات: آڑھتی دو اہم خدمات فراہم کرتا ہے: بوائی کے وقت وقتی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے سرمایہ فراہم کرنا (Bridge Financing) اور بعد میں ایجنٹ کا کردار ادا کرتے ہوئے کٹائی پر فصل کی فروخت میں مدد دینا۔ کسان اپنی فصل اسی آڑھتی کو فروخت کرنے کا پابند ہے جس سے اس نے قرضہ لیا اور یوں آڑھتی کو کسان کے رقوم کے بہاؤ پر کنٹرول مل جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قرضے کے کل حجم کے 2.5 فیصد سے کم آپریشنل اخراجات آجاتے ہیں، کچھ رقم معاف کردی جاتی ہے اور شرح سود 62 سے 80 فیصد کے درمیان ہوتی ہے جس کی بدولت آڑھتی کے لئے منافع کا مارجن بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ کمرشل بینکوں کے برعکس آڑھتی اپنے خطرات سے نمٹنے کے لئے ہر کسان کے وسائل کے مطابق اسے خدمات فراہم کرتا ہے۔ پہلے وہ درست قرض خواہ کا تعین کرتا ہے، پھر وہ قرضے کی اصل ضرورتوں کی تسلی کرتا ہے اور قرض خواہ کی رقوم کا بہاؤ بھی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے جس کی وجہ سے اوسطاً صرف 8 فیصد قرضوں میں کوئی مسائل پیش آتے ہیں۔ ایسی صورت میں بھی آڑھتی کسان کا خیال رکھتا ہے اور قرضہ اگلی فصل پر واپس کرنے کی مہلت دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ وہ صرف ذاتی جان پہچان پر قرضہ دیتا ہے اور کمرشل بینکوں کی طرح کوئی چیز گروی رکھنے کا مطالبہ نہیں کرتا۔ مطالعاتی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ روایتی یا سپیشلائزڈ بینکوں مثلاً زرعی ترقیاتی بینک لمیٹڈ (زیڈ ٹی بی ایل) کے بارے میں آگاہی اور تجربہ کے باوجود زیادہ تر کسان آڑھتی کے ساتھ ہی معاملات کرتے ہیں کیونکہ اس میں انہیں کئی فائدے ملتے ہیں، جیسے کاغذی کارروائی نہیں کرنا پڑتی اور کچھ گروی بھی نہیں رکھنا پڑتا۔ اوسطاً ایک کسان کاشت کاری کی پوری زندگی میں تقریباً 70 فیصد عرصہ ایک ہی آڑھتی کے ساتھ کام کرتا ہے۔

پالیسی سفارشات: آڑھتی کے کردار سے سبق سیکھتے ہوئے اس مطالعاتی تحقیق میں ایک ماڈل تجویز کیا گیا ہے جس میں کسانوں اور بینکوں دونوں کا فائدہ ہے۔ اس ماڈل میں ایک درمیانی کردار کلائنٹ کا بینک سے رابطہ کراتا ہے اور آڑھتی کا کردار ادا کرتا ہے جس میں اضافی سہولتیں یہ ملتی ہیں کہ کسانوں کو کاشت کاری کے جدید طریقوں، جدید آلات اور بیج کھاد وغیرہ سے متعارف کرایا جاتا ہے جس سے فصل اور پیداوار بہتر ہوتی ہے۔ اگرچہ آڑھتی کئی طرح کے خطرات کو سامنے رکھتا ہے لیکن اس کی اصل سرمایہ کاری کسان کی رقوم کے بہاؤ پر ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آڑھتی چھوٹے کسانوں کی ضرورتوں کو اس طرح سمجھتا ہے اور انہیں پورا کرتا ہے کہ روایتی بینک ایسا نہیں کرسکتے۔ آڑھتی اپنے خطرات کو تو کم سے کم کرلیتا ہے لیکن اس کے وسائل محدود ہیں اور وہ رسمی بینکوں کے ساتھ مل کر چلنے کا بھی مخالف نہیں ہے۔ زراعت کی بڑھتی قیمتیں کریڈٹ کی مانگ بھی بڑھا رہی ہیں اور ان حالات میں درمیانی کردار والا مجوزہ ماڈل عام بینکوں کو دیہی سرمایہ کاری سے جوڑنے میں مدد دے سکتا ہے، چھوٹے کاشت کاروں کی قوت بڑھا سکتا ہے اور زرعی شعبے میں سرمایہ کا عمدہ استعمال کرتے ہوئے معاشی افزائش میں بھی بہتری لا سکتا ہے۔

مالی خدمات کا وجود ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا کیونکہ عام خیال یہ تھا کہ گھر کی آمدنی میں خواتین کا حصہ برائے نام ہوتا ہے۔ اس روش کے خلاف چلتے ہوئے کشف فاؤنڈیشن کا آغاز کیا گیا۔ شروع کے چند مہینوں میں مشکلات کی بھرمار رہی۔ باقی لوگ تو اپنی جگہ، خود خواتین کو اس بات پر قائل کرنا مشکل تھا کہ وہ 'پیسے کمانے کے لئے پیسے لے سکتی ہیں'۔ خواتین کی مالی شمولیت ایک پیچیدہ معاملہ ہے۔ ہماری تحقیق نے اس بات کی نشاندہی کی کہ اگرچہ کم آمدنی والی خواتین کی اکثریت کسی قدر برسرروزگار ہے لیکن ان کا اصل حاصل کم ہے اور اپنی آمدنی پر ان کا کنٹرول تو اس سے بھی کم ہے۔

خواتین کو درپیش خطرات دور کرنے اور ان کے کردار کے بارے میں عام طور پر معاشرے کے خیالات سے نمٹنے کے لئے ایک جدت آمیز مالی حکمت عملی کی تشکیل کا مطلب نہ صرف انہیں باکفایت مالی خدمات فراہم کرنا تھا بلکہ خواتین کی عزت نفس اور اعتماد بہتر بنانے پر سرمایہ کاری بھی ضروری تھی۔ کئی حوالوں سے سرمائے تک رسائی سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ انہیں مالی امور پر تعلیم دی جائے، انہیں کاروبار چلانے کے طریقے سکھائے جائیں اور گھرانے کی سطح پر خواتین کے معاشی حقوق کے حق میں بات کی جائے۔ اس سے مراد ایک ایسی کلی سوچ اپنانا تھا کہ جو انہیں ہر طرح کی مالی مصنوعات مثلاً قرضہ، بیمہ زندگی، بیمہ صحت اور پھر چھوٹی بچتیں فراہم کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ جدت آمیز سرمایہ کاری میں ضروری ہوتا ہے کہ کم آمدنی والے خاندانوں اور خاص طور پر خواتین کی مالی ضروریات کا گہرائی تک تجزیہ کیا جائے۔ Portfolios of Poor[4] کے عنوان سے 250 غریب خاندانوں پر کی گئی ایک مطالعاتی تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ خاندان مالی لحاظ سے کٹھن زندگیاں گزار رہے ہیں۔ غریب لوگ اپنی ماہانہ اور سالانہ مالی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے متعدد 'مالی مصنوعات' استعمال کرتے ہیں جن میں قرضوں کے علاوہ رسمی اور غیر رسمی دونوں طرح کی بچتیں جو عام طور پر کمیٹی یا گھر میں کی جانے والی بچت کی شکل میں ہوتی ہیں، دونوں شامل ہیں اور اگر رسمی یا باضابطہ شکل میں سرمایہ دستیاب ہو تو وہ بیمہ اور رسمی بچتوں جیسی سہولتیں بھی حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں غریب لوگوں کو خدمات فراہم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ جدت آمیز مالی مصنوعات وضع کی جائیں جو باکفایت بھی ہوں اور اثر انگیز بھی۔

اس کی ایک بڑی مثال کشف کا بیمہ صحت ہے جو ایک جدت آمیز پراڈکٹ ہے کیونکہ یہ نہ صرف خاندان کو 150 روپے ماہانہ کے عوض مکمل کوریج فراہم کرتی ہے بلکہ اس میں کوئی پیشگی شرائط بھی نہیں ہیں جبکہ اس میں خواتین کی صحت کا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں آمدنی اور معاوضہ کا پہلو بھی شامل ہے جس میں گھرانوں کو اتنے دنوں کے لئے نقد رقم فراہم کی جاتی ہے جتنے دن شوہر یا بیوی میں سے کوئی ایک ہسپتال میں داخل رہے ہوں۔ شروع میں کم آمدنی والے خاندانوں خاص طور پر خواتین کو بیمہ صحت کی مادی افادیت سمجھانا مشکل تھا اور اس کے لئے گھرانوں میں مالی امور پر شعور و آگاہی پیدا کرنے کے لئے

4 ڈیرل، جوناتھن اینڈ سٹوارٹ، Portfolios of the Poor: How the world's poor live on $2 a day۔ پرنسٹن یونیورسٹی، 2009۔

مسلسل سرمایہ کاری کرنا پڑی۔ تاہم جیسے جیسے کلیم (Claim) سامنے آنا شروع ہوئے کمیونٹی سطح پر لوگوں کو بیمہ صحت کی اہمیت کا اندازہ ہونے لگا۔ آج کشف کا بیمہ صحت پروگرام جو جوبلی انشورنس کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے، 1.16 ملین سے زائد افراد کو کوریج فراہم کرتا ہے اور مجموعی طور پر 27,000 کلیمز پر کارروائی کر چکا ہے جن میں سے 69 فیصد کلیم خواتین کی طرف سے جمع کرائے گئے۔ اس تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر درست مصنوعات تیار کی جائیں تو سرمایہ کاری میں جدت کئی طرح کے سماجی مسائل کا ازالہ کرسکتی ہے۔ کشف کے ایک کلائنٹ کی ان باتوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ، ''میری سولہ سالہ بیٹی نے پیٹ میں ناقابل برداشت درد کی شکایت کی تو ہم اسے قریبی پینل ہسپتال لے گئے۔ مجھے بتایا گیا کہ فوراً اس کا اپنڈکس کا آپریشن کرنا پڑے گا۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے ہمیں بتایا کہ ہم بالکل آخری وقت پر اسے ہسپتال لائے تھے۔ بیمہ نہ ہوتا تو میں اسے کسی پرائیویٹ ہسپتال لانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا''۔

جدت آمیز سرمایہ کاری کا ایک اور میدان شعبہ تعلیم ہے۔ ہر سطح پر تعلیم کی فراہمی کے معاملے میں پاکستان بہت پیچھے ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارا شمار ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں سکول سے باہر بچوں کا تناسب سب سے زیادہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بالخصوص خواتین میں خواندگی کی سطح پست ہے۔ ملک میں خواتین کی شرح خواندگی 63 فیصد ہے اور لڑکیوں کے معاملے میں مجموعی طور پر سکول کے اوسط سالوں کی تعداد تین ہے جبکہ لڑکوں میں شرح خواندگی 78 فیصد اور سکول کے اوسط سالوں کی تعداد چھ سال ہے [5]۔ یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ سکولوں پر سرمایہ لگانے کی اشد ضرورت ہے اور تعلیم پر سرمایہ لگانے کے معاملے میں زیادہ جدت آمیز طریقے آزمائے جائیں۔ مختلف حکومتی پروگرام اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں جیسے پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن (پی ای ایف) جو براہ راست سکولوں کو فیس ادا کرتی ہے اور سکولوں میں لڑکیوں کے داخلے بہتر بنانے کے لئے حکومت کی زیر پرستی رقوم کی مشروط منتقلی کے پروگرام۔ ایک اور پہلو کم خرچ پرائیویٹ سکولوں کی افزائش ہے جن کا داخلوں میں حصہ اس وقت 30 فیصد ہے[6]۔ تاہم اس طرح کے زیادہ تر سکول اپنے فنڈز پر چل رہے ہیں لہٰذا افزائش اور معیار دونوں اعتبار سے ان کی کچھ حدود ہیں۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کشف فاؤنڈیشن نے کم خرچ پرائیویٹ سکولوں کی مالی اور معیار دونوں لحاظ سے ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کلی سوچ اپنائی اور ان کی ضروریات کے مطابق قرضے پیش کئے جن کی مدت اٹھارہ ماہ تک چلی جاتی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ سکول مینجمنٹ کی تربیت اور درس و تدریس پر اساتذہ کو تربیت بھی دی جاتی ہے۔ اس پراجیکٹ کے لئے فنڈز ایکیومن فنڈ کی طرف سے ایک طویل مدتی قرض معاونت کے ذریعے فراہم کئے گئے ہیں۔ تاحال کشف فاؤنڈیشن اپنے سکول فنانس پروگرام کے ذریعے ایک ہزار سے زائد سکولوں پر سرمایہ کاری کر چکی ہے۔ ان میں سے 69 فیصد سکول ایسے ہیں جنہوں نے اپنے داخلوں میں اوسطاً تقریباً 37 طلبہ کا اضافہ کیا ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ جدت آمیز سرمایہ کاری کے لئے ایک کلی سوچ اپنانا ضروری ہے جس میں مالی اور سماجی دونوں طرح کے اثرات کا خیال رکھا جائے۔ انتہائی نچلے طبقے کے لئے موزوں مصنوعات کی تیاری اور پیشکش ان خدمات کو موثر انداز میں بروئے کار لانے کے لئے ان کلائنٹس کی استعداد پر سرمایہ کاری کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کشف کا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ قرضے دینا تو آسان ہے لیکن اصل مشکل سوچ میں تبدیلی لانا اور کلائنٹ کی سطح پر مالی نظم و نسق کی استعداد بہتر بنانا ہے۔ محض اعداد و شمار پر تکیہ کر لینے سے صرف ایک رخ سامنے آئے گا۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ ترقی پر لگائے جانے والے سرمایہ کے انسانی اثرات کا ریکارڈ بھی مرتب کیا جائے کیونکہ یہی دراصل کسی بھی جدت کا اصل امتحان ہے۔

5 جدول 4، صنفی ترقی انڈکس، صفحہ 222، ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ، 2015۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://hdr.undp.org/sites/default/files/2015_human_development_report.pdf

6 Access to Finance for Low Cost private schools، علم آئیڈیاز و ڈی ایف آئی ڈی، 2014۔

امداد اور ترقی

ڈاکٹر غلام محی الدین

سینئر سپیشلسٹ (اربن اکنامکس)
اربن سیکٹر پلاننگ اینڈ مینجمنٹ سروسز یونٹ
(پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور

پاکستان میں امداد کا بہاؤ

تاریخی اعتبار سے پاکستان کو ملنے والی غیر ملکی امداد میں دو بڑی اقسام کی امداد شامل رہی ہے یعنی پراجیکٹ امداد (Project Aid) اور نان پراجیکٹ امداد (Non-Project Aid)۔ نان پراجیکٹ امداد کو مزید خوراکی، غیر خوراکی، ادائیگیوں کے توازن اور ریلیف سرگرمیوں کے لئے ملنے والی امداد میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جدول 1 میں پاکستان کو ملنے والی کل غیر ملکی امداد انہی اقسام کے لحاظ سے ظاہر کی گئی ہے۔

جیسا کہ اس جدول سے ظاہر ہوتا ہے گزرے سالوں میں غیر ملکی امداد کے بہاؤ میں کئی بار اتار چڑھاؤ دیکھنے میں آیا۔ غیر ملکی امداد کا حجم 14-2013 میں اپنی بلند ترین سطح یعنی 6,840 ملین ڈالر تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس میں مسلسل کمی آتی گئی اور 16-2015 میں یہ 5,441 ملین ڈالر رہی۔ پراجیکٹ امداد میں بھی اسی طرح کا اتار چڑھاؤ والا رجحان ظاہر ہوتا ہے جس کی مالیت 16-2015 میں 2,184 ملین ڈالر تھی جو کل ادائیگیوں کے تقریباً 40 فیصد کے مساوی بنتی ہے۔ 3,256 ملین ڈالر کی رقم نان پراجیکٹ امداد کے سلسلے میں دی گئی جو کل ادائیگیوں کا تقریباً 60 فیصد بنتی ہے جس میں سب سے زیادہ حصہ ادائیگیوں کے توازن کے لئے ملنے والی امداد کا تھا۔

باضابطہ ترقیاتی امداد (او ڈی اے) 2015 میں خام قومی آمدنی کا 1.3 فیصد تھی جبکہ دوطرفہ باضابطہ ترقیاتی امداد کا حصہ 2013 میں 67.7 فیصد تھا جو کم ہوتا ہوا 2015 میں کل ملنے والی امداد کے 45.5 فیصد تک آ گیا (جدول 2)۔ 2015 میں کل نقد وصولیاں 3,576 ملین ڈالر رہیں۔

شعبہ کے لحاظ سے دوطرفہ امداد کے جائزہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امداد کا بڑا حصہ معاشی بنیادی ڈھانچے اور خدمات کے لئے موصول ہوا جبکہ پروگرام امداد اس میں سب سے نیچے دکھائی دیتی ہے جو محض دو فیصد

جدول **1**: پاکستان کو ملنے والی امداد (**2000-2016**) بلحاظ اقسام (ملین امریکی ڈالر میں)

مالی سال	پراجیکٹ امداد	نان پراجیکٹ امداد					گرینڈ ٹوٹل
		غیر خوراکی	خوراکی	ادائیگیوں کا توازن	ریلیف	ٹوٹل	
2000-01	1,030	-	23	1,128	5	1156	2,186
2001-02	741	-	114	1,880	21	2015	2,756
2002-03	846	-	9	1,057	8	1074	1,920
2003-04	622	-	-	755	3	758	1,380
2004-05	918	-	-	1,803	2	1805	2,723
2005-06	2,084	-	10	1,262	1	1273	3,357
2006-07	1,308	-	12	2,058	3	2073	3,381
2007-08	1,565	80	-	2,013	2	2095	3,660
2008-09	1,272	175	-	3,238	2	3415	4,688
2009-10	1,213	100	-	2,305	49	2454	3,668
2010-11	1,076	-	-	648	895	1543	2,620
2011-12	1,753	73	-	949	314	1336	3,089
2012-13	2,071	51	-	466	268	785	2,855
2013-14	2,015	80	-	4,612	133	4825	6,840
2014-15	2,449	10	-	3,163	134	3307	5,756
2015-16 (جولائی تا مارچ)	2,184	-	-	3,242	14	3256	5,441

ذریعہ: حکومت پاکستان (2016) [1]

1 حکومت پاکستان (2016)۔ اکنامک سروے آف پاکستان (16-2015)۔ اسلام آباد۔ اکنامک ایڈوائزری ونگ، وزارت خزانہ۔

ہے(شکل 1)۔

پاکستان کو امداد کی فراہمی، اس کی شفافیت اور افادیت

تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ پاکستان کو امداد کی سب سے زیادہ رقوم فوجی حکومتوں کے ادوار میں موصول ہوئیں یعنی 1960-66، 1978-88 اور 2000 کے بعد۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ امداد کی رقم میں معاشی سے زیادہ سیاسی پہلوؤں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔[3] سعید (2013) نے بھی اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ پاکستان کو 1950 کی دہائی میں بمشکل کوئی امداد موصول ہوئی۔ تاہم 1960 کی دہائی کے پہلے نصف میں باہمی دفاع کے سمجھوتوں (سیٹو اور سینٹو) کی وجہ سے غیر ملکی امداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ 1965 کی جنگ کے بعد امداد میں خاطر خواہ کمی آ گئی اور یہ سلسلہ سوویت افغان جنگ شروع ہونے تک چلتا رہا جب اس میں پھر تیزی آئی اور جنگ ختم ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہا جس کے بعد اچانک یہ رک گئی اور گیارہ ستمبر تک اس کا یہی حال رہا۔ گیارہ ستمبر کے بعد پاکستان کو خاصی غیر ملکی امداد موصول ہوئی ہے۔[4]

امداد کی افادیت پر نظر دوڑائیں تو اس کہانی کے دو رخ ہیں۔ ایک طرف غیر ملکی امداد سے جی ڈی پی کی افزائش کو تقویت دینے میں مدد ملی، معیشت میں ڈھانچہ جاتی تبدیلیاں آئیں، صنعتی اور زرعی شعبوں کی بنیادیں استوار ہوئیں، تکنیکی معاونت، پالیسی مشاورت اور جدید ٹیکنالوجی ملی، بجٹ خسارے پر قابو پانے اور ادائیگیوں میں توازن پیدا کرنے میں مدد دی گئی اور سماجی شعبے کی ترقی کے منصوبوں کے لئے بھی فنڈز فراہم کئے گئے۔[5]

تاہم دوسری جانب لگتا ہے کہ امداد نے ملکی بچتوں کے متبادل کا کام بھی دیا اور یوں قرضوں کا بوجھ بڑھا دیا۔ جب تک میکرو اکنامک مینجمنٹ، غیر ملکی تجارت اور ملکی بچت پالیسیوں پر موزوں طریقے سے عملدرآمد نہیں کیا جاتا ملک کو اسی طرح قرضوں کے بڑھتے بوجھ کے ساتھ ساتھ امداد کی افادیت میں بھی بڑھتی کمی کا سامنا رہے گا۔[6] اس پر مستزاد یہ کہ غیر ملکی امداد کے استعمال کے حوالے سے بھی کوئی ایسی اچھی صورتحال دیکھنے کو نہیں ملتی۔ عطیہ دینے والوں کے کڑے معاہدوں، مالی لحاظ سے غیر دانشمندانہ سوچ اور امداد کی ناقص مینجمنٹ کی وجہ سے اصل میں امداد شاید نعمت سے زیادہ زحمت بن کر رہ جاتی ہے۔[7]

عالمی غربت اور غیر ملکی امداد کے ماہر اور 2015 میں الفریڈ نوبیل کی یاد میں اکنامک سائنس پرائز وصول کرنے والے پروفیسر ڈیٹن تصرف، غربت اور بہبود پر اپنے تجزیہ میں غیر ملکی امداد کو ترقی پذیر اقوام کے لئے ایک لعنت قرار دیتے ہیں۔[8] پاکستان کے تناظر میں ناقص طرز حکمرانی اور خاص طور پر احتساب کا کمزور نظام امداد کے موثر استعمال میں رکاوٹیں

جدول 2: پاکستان کو موصول ہونے والی باضابطہ ترقیاتی امداد (2013-15)

تفصیل (مع یونٹ)	2013	2014	2015
نقد باضابطہ ترقیاتی امداد (امریکی ڈالر)	2,194.50	3,614.80	3,790.40
نقد باضابطہ ترقیاتی امداد / خام قومی آمدنی (فیصد)	0.9	1.4	1.3
خام باضابطہ ترقیاتی امداد (امریکی ڈالر)	3,077.90	4,378.50	4,359.20
دو طرفہ حصہ (خام باضابطہ ترقیاتی امداد) (فیصد)	67.7	46.6	45.5
نقد نجی رقوم (امریکی ڈالر)	-549.8	82.6	45.5
کل نقد وصولیاں (امریکی ڈالر)	1,786.30	3,672.40	3,576.10

ذریعہ: او ای سی ڈی-ڈی اے سی (2016) [2]

شکل 1: پاکستان کو ملنے والی دو طرفہ باضابطہ ترقیاتی امداد بلحاظ شعبہ، 2014-15 اوسط

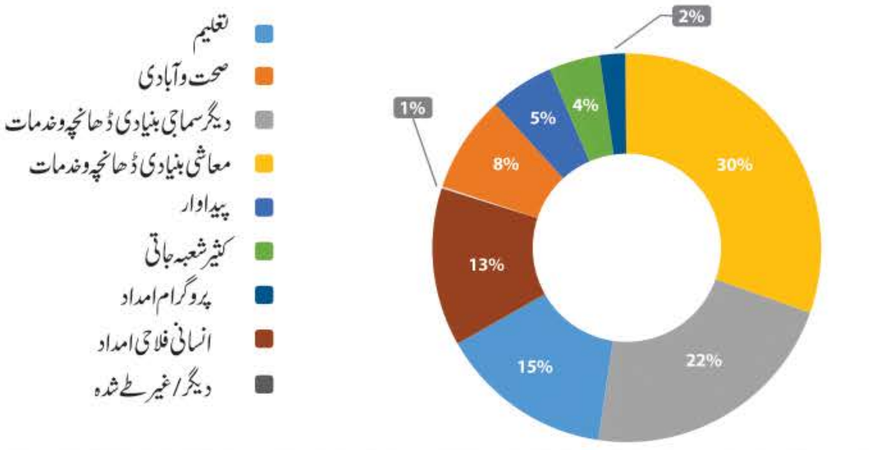

ڈیٹا کا ذریعہ: او ای سی ڈی-ڈی اے سی (2016) کا ڈیٹا۔

شکل 2: 2014-15 میں پاکستان کے لئے خام باضابطہ ترقیاتی امداد کے دس اولین عطیہ دہندگان (ملین امریکی ڈالر)

ڈیٹا کا ذریعہ: او ای سی ڈی-ڈی اے سی (2016) کا ڈیٹا

2 او ای سی ڈی-ڈی اے سی (2016)۔ Aid at Glance۔ جو آن لائن یہاں سے حاصل کیا گیا: http://www.oecd.org/dac/financing-sustainable-development/development-finance-data/aid-at-a-glance.htm
3 محی الدین، غلام (2005)۔ Impact of Foreign Aid on Economic Development in Pakistan [1960-2002]۔ ایم پی آر اے پیپر نمبر 1211۔ جو آن لائن یہاں سے حاصل کیا گیا: http://mpra.ub.uni-muenchen.de/1211/
4 سعید، احمد (2013)۔ Can Pakistan do without foreign economic aid?۔ روزنامہ ڈان۔ جو آن لائن یہاں سے حاصل کیا گیا: https://www.dawn.com/news/1053902
5 محی الدین (2005)، op.cit
6 خان، ایم اے، و احمد، اے (2007)۔ Foreign aid-Blessing or curse: Evidence from Pakistan۔ پاکستان ڈویلپمنٹ ریویو، 240-215۔
7 ایضاً
8 خارجہ تعلقات کونسل (سی ایف آر)۔ Angus Deaton on Foreign Aid and Inequality کے عنوان سے ہونے والی تقریب۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.cfr.org/economics/angus-deaton-foreign-aid-inequality/p37546

امداد کس طرح کام کرتی ہے اور آج بھی یہ کیوں اہم ہے

پاؤلیا نگ ژو، ہیڈ آف یو این ڈی پی ایشیا پیسیفک

1994 میں جب میں نے اقوام متحدہ میں شمولیت اختیار کی تو ایشیا پیسیفک اقوام کو امیر ملکوں سے ملنے والی امداد اس خطے کی کل رقم کے 10 فیصد سے زیادہ بنتی تھی۔ آج یہ ایک فیصد سے بھی کم ہے لیکن پھر بھی ناگزیر ہے۔

اطلاعات کے مطابق عطیہ دینے والے فنڈز میں جن کٹوتیوں پر غور کر رہے ہیں اس سے ہماری صلاحیتیں محدود ہو کر رہ جائیں گی کہ ہم ایک زیادہ محفوظ اور پائیدار دنیا کی تعمیر کرسکیں۔

امداد آج بھی کیوں اہم ہے، میں اس کی وضاحت اس طرح کرنا چاہوں گا۔

کئی دہائیوں سے بین الاقوامی ترقیاتی تعاون یک رویہ نظام کے تحت چل رہا ہے جس میں غریب ممالک کو فنڈز اور ماہرین فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس سے بے پناہ پیشرفت کی راہ ہموار ہوئی ہے۔

اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ (یو این ڈی پی) نے حکومتی، پارلیمانی اور عدالتی اداروں کی تعمیر میں خصوصی مہارت حاصل کرلی ہے۔ اس نے افسران اور اہلکاروں کو تربیت دی، ماہرین کے باہمی تبادلوں کا اہتمام کیا اور ضابطے کی کارروائیاں وضع کیں۔

ان اداروں نے معاشی افزائش کی راہیں کھول دیں۔ یہ خطہ جس کا جی ڈی پی 1950 کی دہائی میں عالمی شرح کے تقریباً 10 فیصد کے برابر تھا، آج تقریباً 40 فیصد تک پہنچ چکا ہے۔

جیسے جیسے معیشتوں کی افزائش ہوئی ان ملکوں کے اپنے وسائل نے غیر ملکی امداد کو پیچھے چھوڑ دیا۔ عالمی ترقیاتی نظام میں یہ انقلابی تبدیلی آئی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا کردار بدل چکا ہے۔

ہمارا نیا مقصد ایشیا پیسیفک حکومتوں کو مدد دینا ہے کہ وہ اپنا پیسہ بہترین انداز میں اپنی ترقی پر خرچ کرسکیں۔

اور کئی بڑی مشکلات باقی ہیں۔ 300 ملین کے لگ بھگ افراد آج بھی غربت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

بڑھتی عدم مساوات، شہروں کا تیزی سے پھیلاؤ، بڑھتی عمر کی آبادی، مائیگریشن، انتہا پسندی اور ماحولیاتی آفات، ان سب مسائل کے لئے جدید تقاضوں کے مطابق حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

ان میں سے بعض مسائل ایسے ہیں جو اپنے دائرہ کار سے باہر بھی عدم استحکام کا باعث بن رہے ہیں جن میں شمالی افریقہ اور یورپ جیسے ممالک بھی شامل ہیں۔

یو این ڈی پی ان مشکلات کو دور کر رہا ہے۔ ایشیا پیسیفک میں اس کے ایک ارب ڈالر مالیت کے ترقیاتی منصوبوں، جن میں سے زیادہ تر امدادی فنڈز پر چل رہے ہیں، کی بدولت ایسے طریقے وضع کرنے اور انہیں آزمانے کا موقع مل رہا ہے جنہیں مختلف ممالک اپنے قومی ترقیاتی پروگراموں کی شکل دے سکتے ہیں۔

ہم نے پائیدار ترقی کے فروغ کے لئے پانچ بنیادی طریقوں کا تعین کیا ہے۔

ہمارے ماہرین مختلف ممالک کو ایسے پراجیکٹس کی منصوبہ بندی، بجٹ سازی اور ان پر عملدرآمد میں مدد دے رہے ہیں جن کے لئے فنڈز وہ خود فراہم کر رہے ہیں۔ پاکستان میں ہم حکومت کو پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کو اپنے منصوبوں اور بجٹ کا حصہ بنانے میں مدد دے رہے ہیں۔ پاکستان نے روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور صاف پانی اور معیاری تعلیم تک رسائی مہیا کرنے کے لئے اپنے وسائل مختص کئے ہیں۔ اس سے ایک مثبت اور دیرپا تبدیلی رونما ہوتی ہے جس کے ثمرات ملکی سرحدوں سے باہر بھی جاتے ہیں۔

ہم جدت پر سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ ہم پرانے مسائل کے نئے اور زیادہ موثر حل وضع کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال پاپوا نیوگنی میں ہمارا "فونز اگینسٹ کرپشن" پراجیکٹ ہے جسے وزارت خزانہ میں آزمائشی پراجیکٹ کے طور پر شروع کیا گیا لیکن اب اس کا پیمانہ وسیع کر کے ملک کے مزید سرکاری دفاتر کو اس کے دائرے میں لایا جا رہا ہے۔ ہم اتنی کامیابیاں دیکھ چکے ہیں کہ اس سال ہم جدت پر ایک لیبارٹری قائم کر رہے ہیں۔

ہم ملکوں کو سرمایہ کے نئے ذرائع تک رسائی میں مدد دے رہے ہیں۔ تبدیلی آب وہوا پر یو این ڈی پی کے جدید طرز کے پراجیکٹس کو گرین کلائمیٹ فنڈ کی جانب سے خطے کے چھ ممالک کے لئے 200 ملین ڈالر سے زائد کے نئے وسائل ملے ہیں۔ ہم نجی سرمائے کو ساتھ ملانے کے طریقوں کا بھی جائزہ لے رہے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ سماجی اثرات مرتب کرنے والی سرمایہ کاری ہے جس سے قابل پیمائش سماجی یا ماحولیاتی ثمرات کے ساتھ ساتھ منافع بھی حاصل ہوتا ہے۔

ہم حکومتوں، کاروباری اداروں، سول سوسائٹی، فلاحی اداروں، کمیونٹیز، رضاکاروں اور بین الاقوامی پارٹنرز کو یکجا کر رہے ہیں تاکہ ان کی تمام قابل ستائش مہارتوں کو بروئے کار لایا جاسکے۔ اس کی ایک مثال رسپانسیبل بزنس فورم ہے جس نے ایشیا پیسیفک کے خطے میں 700 بااثر اداروں اور شخصیات کا ایک نیٹ ورک قائم کیا ہے۔

آخری بات، ہم نے اپنے دفاتر کی ازسرنو ڈھانچہ بندی کی ہے تاکہ انہیں اس قدر لیس کیا جاسکے کہ وہ اکیسویں صدی کے تقاضوں کے مطابق معاونت اور مہارت فراہم کرسکیں۔ ایک طرف ہم نے 500 ملازمتیں کم کی ہیں تو دوسری جانب ہم ایسی مہارتوں اور سرگرمیوں پر سرمایہ کاری کر رہے ہیں جو ملکوں کو انتہا پسندی، مائیگریشن اور نوجوانوں کے لئے روزگار جیسے نئے مسائل سے نمٹنے میں مدد دیں۔

میں نے جب اقوام متحدہ میں شمولیت اختیار کی تو ایشیا پیسیفک کی حکومتیں ہمارے پراجیکٹس کے لئے فنڈز فراہم نہیں کر رہی تھیں اور کاروباری اداروں، تھنک ٹینکوں اور فلاحی اداروں جیسے پارٹنرز بھی شاذ و نادر ہماری سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ آج کئی سمتوں میں رقم اور مہارت کا بہاؤ جاری ہے۔

بہر حال امداد اس امر کو یقینی بنانے کے لئے ناگزیر ہے کہ نئے وسائل کو بہترین انداز میں بروئے کار لایا جائے۔ اس سے ترقیاتی کام میں مدد ملتی ہے۔ امداد سے حکومتوں کو اپنے معاشروں کو درپیش ان خطرات سے نمٹنے کے طریقے مل جاتے ہیں جو عسکریت پسندی اور لوگوں کی سرحد پار نقل وحرکت کی شکل میں موجود ہیں اور جو ایشیا پیسیفک سے باہر بھی شدید تشویش کا باعث ہیں۔

ذریعہ: ہفنگٹن پوسٹ (2017) How Aid Now Works and Why It Still Matters۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.huffingtonpost.com/entry/how-aid-now-works-and-why-it-still-matters_us_58b7115ae4b0ddf65424628e

پیدا کرتا ہے۔[9] غیر ملکی امداد کی بھاری رقوم وصول کرنے کے باوجود پاکستان معاشی افزائش کے اعتبار سے خود کفیل نہیں ہو پایا۔ درحقیقت زیادہ تر معاشی امداد قرضے اتارنے کے لئے استعمال کی گئی۔ مثال کے طور پر ایک اندازے کے مطابق 1961-2009 کے دوران پاکستان کو ملنے والے کل 77.78 ارب ڈالر میں سے 45.05 ارب ڈالر (58 فیصد) سابقہ قرضوں کی ادائیگی کے طور پر عطیہ دینے والوں کو ہی واپس کر دیئے گئے۔[10]

غیر ملکی امداد کی اہمیت بمقابلہ امداد پر انحصار

غیر ملکی امداد ترقی پذیر ملکوں کے لئے دو وجوہ کی بناء پر اہم ہے۔ اول، یہ افزائش کی ایک خاص شرح کے حصول کے لئے درکار سرمایہ کاری کی رقم اور دستیاب ملکی بچتوں کے درمیان فرق کو دور کرنے میں مدد دیتی ہے (بچتوں کا فرق)۔ یہ ضروری زرمبادلہ فراہم کرنے اور ملک کی درآمدی ضرورتوں اور زرمبادلہ کی آمدنی کے درمیان فرق کو دور کرنے میں بھی مدد دیتی ہے (ادائیگیوں کے توازن کا فرق)۔ دوم، بیرونی امداد کے بارے میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ افزائش کی بلند شرح (جس کے بارے میں فرض کیا جاتا ہے کہ یہ غیر ملکی امداد کے درست استعمال سے پیدا ہوتی ہے) کے باعث اضافی ملکی بچتیں پیدا کرتے ہوئے ترقی کے عمل کی راہ ہموار کرتی ہے اور اس میں تیزی لاتی ہے۔ وقت کے ساتھ امید کی جاتی ہے کہ مقامی وسائل کے خود کفیل ہونے سے رعایتی امداد کی ضرورت کم ہوتی جائے گی۔ کیا ایسا ہوا ہے، یہ سوال بحث اور تجزیہ طلب

9 سرور، اے، حسن، ایم، و محمود، ٹی (2015)۔ Foreign Aid and Governance in Pakistan۔ پاکستان اکنامک اینڈ سوشل ریویو، 149 ,(2)53۔
10 سعید (2013)، op. cit.

ہے۔

غیر ملکی امداد کی اہمیت اپنی جگہ لیکن بعض دیگر پہلوؤں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ غیر ملکی امداد کی ضمنی کے طور پر اکثر تکنیکی معاونت بھی آتی ہے جو اعلیٰ سطح کے کارکنوں کے شکل میں اس بات کو یقینی بنانے کے لئے ہوتی ہے کہ امداد کی رقوم انتہائی عمدہ طریقے سے استعمال کی جائیں۔ ایک طرف تو یہ امدادی رقم کے عمدہ استعمال میں اپنا کردار ادا کرتی ہے اور دوسری جانب اس کی بدولت امدادی رقم واپس ترقی یافتہ ملکوں کو چلی جاتی ہے اور امداد کی افادیت ایک سوالیہ نشان بن کر رہ جاتی ہے۔

غیر ملکی امداد پر بے جا انحصار کے بوجھ کا نتیجہ قرضوں کے بے جا بوجھ کی شکل میں برآمد ہوسکتا ہے۔ پاکستان کے معاملے میں غیر ملکی امداد سے گرانٹس اور پھر قرضوں تک کے سفر میں وقت کے ساتھ خام امداد کا قدرے بڑا حصہ قرض واجبات کی نذر ہو کر رہ گیا ہے اور یوں درآمدات اور سرمایہ کاری کے لئے دستیاب نقد امداد کی رقم کم ہوگئی ہے۔ مزید برآں، قرضوں کے ساتھ جڑے شرائط وضوابط کے ہاتھوں ملک کو معاشی کے ساتھ ساتھ سیاسی قیمت بھی چکانا پڑی ہے۔

حاصل بحث

پاکستان میں غیر ملکی امداد کی افادیت اور فراہمی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ امداد کو زیادہ موثر بنانے کے لئے پاکستان کو شاید اپنی میکرو اکنامک پالیسیوں پر نظرثانی کرنے، متعلقہ اداروں کو مستحکم بنانے، طرز حکمرانی میں بہتری لانے اور کرپشن میں کمی لانے کی ضرورت بھی پڑے۔ یہ مختلف عوامل پاکستان میں امداد کی فراہمی بہتر بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ مثلاً عمدہ مالی، زری اور تجارتی پالیسیاں معاشی افزائش میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے امداد کی موثر حیثیت کو بہتر بنا سکتی ہیں۔ اسی بناء پر نہ صرف خاطرخواہ پالیسیوں کی بلکہ ان پالیسیوں پر مکمل عملدرآمد کی بھی ضرورت ہے جس میں امداد کے استعمال کی موزوں نگرانی اور مکمل شفافیت شامل ہیں12۔

مزید برآں، امداد کی فراہمی کے نظام میں بہتری لانے کے لئے عطیہ دہندگان کو بھی چاہیئے کہ وہ طلب پر مبنی معاشی اور تکنیکی معاونت والی آگاہی پر مبنی سوچ اپنائیں۔ ''فاؤنڈیشن ماڈل'' کی مقامی شکل ترقیاتی امداد کی سرگرمیوں کو صوبائی عدم ارتکاز اور پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد پر مقامی سوچ کے تحت زیادہ ثمرآور بنا سکتی ہے۔ بہرحال ضرورت اس امر کی ہے کہ وفاقی اور صوبائی حکومتیں اپنے اپنے ترقیاتی ایجنڈا کے تحت پالیسی فریم ورک وضع کریں اور امدادی سرگرمیوں کو زیادہ ثمرآور بنانے کے لئے سرکاری شعبے کی استعداد بہتر بنائیں13۔

11 محی الدین (2005)، op.cit.
12 محی الدین (2005)، op.cit.
13 جہانگیر فہیم (2017)۔ The aid policy network in Pakistan۔ جو یہاں سے حاصل کیا گیا: http://devpolicy.org/the-aid-policy-network-in-pakistan-20170214/

جنوب سے جنوب کے تعاون کا پھیلاؤ

جنوب سے جنوب کا تجارتی تعاون

جنوب کے ممالک جغرافیائی لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں اور بہت سی باتوں میں ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ لہٰذا جنوب سے جنوب کے درمیان علاقائی تجارت اور انضمام کے سمجھوتوں کے ذریعے علاقائی انضمام کو مزید وسعت دینے کی شاندار استعداد موجود ہے۔ علاقائی تجارت کی لبرلائزیشن کو تقویت دینے کے لئے ضروری ہے کہ فضائی، ریل، سڑک اور سمندری آمدورفت کے ضروری بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کے لئے سرمایہ فراہم کیا جائے اور منڈی میں قدم رکھنے میں معاون اقدامات کئے جائیں جن میں معیارات، ٹیسٹنگ اور تعمیل سے متعلق تجزیوں اور کوالیفکیشنز کو باہمی سطح پر تسلیم کرنے جیسے اقدامات شامل ہیں۔

یو این سی ٹی اے ڈی کی ایک مطالعاتی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ انٹراجی ایس ٹی پی لینئر ٹیرف (Intra-GSTP Linear Tariff) میں 50 فیصد کٹوتی نئی تجارت اور تجارت میں وسعت دونوں اعتبار سے تقریباً 20 ارب ڈالر کے فلاحی ثمرات پیدا کرسکتی ہے۔ لہٰذا یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ ترقی پذیر ممالک انٹراجی ایس ٹی پی ٹیرف میں مزید کٹوتیوں کے ساتھ کم ترقی یافتہ ممالک کے لئے موزوں حفاظتی اقدامات اور خصوصی معاونت پر غور کریں۔

جنوب سے جنوب میں براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری

کم ترقی یافتہ ممالک اور جنوب کے ممالک جنوب سے جنوب میں براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کے ترقیاتی اثرات میں اضافہ کے لئے ضروری کوششیں کرسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ''ہوم کنٹری'' اور ''ہوسٹ کنٹری'' پالیسیاں بناسکتے ہیں اور جنوب کے ٹی این سیز اور کم ترقی یافتہ ملکوں کی حکومتوں کے درمیان اشتراک عمل کے مختلف سمجھوتے کئے جاسکتے ہیں۔ کم ترقی یافتہ ممالک کو چاہیئے کہ موجودہ براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کو استعمال کرتے ہوئے بنیادی ڈھانچے کو مستحکم بنائیں اور پیداواری استعداد کو بہتر بنائیں اور علوم اور سرمائے کی استعداد سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

کم ترقی یافتہ ممالک براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کی معاشی استعداد سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری بنیادی ڈھانچہ تعمیر کریں۔ آمدورفت، توانائی، ابلاغ وغیرہ کے شعبوں میں بنیادی ڈھانچہ پیداوار اور ملکی و بین الاقوامی منڈیوں تک رسائی کے لئے پہلی شرط ہے۔ مثلاً بعض ترقی پذیر ممالک مثلاً چین اور مشرق وسطی کے تیل پیدا کرنے والے ممالک مالی ذخائر کے انبار لگا رہے ہیں اور انہوں نے خودمختار فنڈز قائم کردیئے ہیں جو بیرون ملک سرمایہ کاری کے لئے دستیاب ہیں۔ اس حوالے سے کم ترقی یافتہ ملکوں میں ان فنڈز سے سرمایہ کاری بڑھانے کے طریقے نکالے جائیں۔

جنوب سے جنوب کا تکنیکی و ٹیکنالوجی تعاون

موجودہ معاشی اور سماجی ماحول تمام پارٹنرز کو ایک دوسرے سے سیکھنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ ترقی کے تمام مراحل میں تمام ممالک کے لئے جنوب سے جنوب کے درمیان سیکھنے کا عمل تجربات کے باہمی تبادلے، علوم کے تبادلے، ٹیکنالوجی اور مہارتوں کی منتقلی کے ذریعے استعداد میں بہتری کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ یہ سب جنوب کے جنوب سے تعاون کے اہم اجزاء ہیں۔ جنوب میں رہنے والے تکنیکی اور دیگر ماہرین کو چاہیئے کہ وہ نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ علاقائی اور عالمی سطح پر بھی اپنے تجربات دوسروں تک پہنچائیں تاکہ ایک دوسرے سے سیکھنے اور استعداد میں بہتری کی راہ ہموار ہو۔

جنوب کے ممالک ایک ''جنوبی طریقہ'' تلاش کرنے کے لئے ایک دوسرے کے تجربات سے آگاہی حاصل کریں اور انہیں اپنے انداز میں اپنائیں۔ یہ جنوبی طریقہ نہ صرف متعلقہ عالمی طریقوں کو تقویت دینے کے کام آئے گا بلکہ ماحولیاتی انحطاط، حفظان صحت، توانائی اور خوراک کی سلامتی، اور ڈیجیٹل تقسیم جیسے امور میں ان کی اپنی ضروریات کو بھی پورا کرے گا۔ موثر اداروں مثلاً علاقائی سطح پر تجربات اور ماڈلز کے تبادلے کے لئے علاقائی ٹیکنالوجی مراکز کے قیام کی ضرورت بھی پڑے گی جس میں حکومت، نجی شعبے اور سول سوسائٹی کو مل کر کام کرنا ہوگا۔ مثال کے طور پر ترقی پذیر خطے میں حفظان صحت کا مسئلہ حل کرنے کے لئے جنوب سے جنوب کے لئے علوم کا ایک واحد، باہم مربوط منبع بھارت میں بنا دیا جائے تو کم قیمت ادویات پر مہارتوں کو یکجا کیا جاسکتا ہے۔

جنوب سے جنوب کے درمیان ترقیاتی تعاون میں مدد

اگرچہ کئی ترقی پذیر ملکوں نے اپنی ترقیاتی امداد بڑھالی ہے لیکن ابھی بھی یہ کافی کم ہے۔ لہٰذا ترقی پذیر ملکوں کو کم ترقی یافتہ ملکوں میں اپنے مالیاتی بہاؤ کا پیمانہ وسیع کرنا ہوگا اور فنڈز ذرائع میں وسعت پیدا کرنا ہوگی۔ ترقی پذیر ممالک باضابطہ مالیاتی بہاؤ کا ایک بڑا حصہ کم ترقی یافتہ ممالک کے لئے بچا کر بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر کم ترقی یافتہ ممالک سے تعاون کے لئے اپنی ترجیحات طے کرسکتے ہیں۔

ترقی پذیر ممالک فنڈز کے جدت آمیز ذرائع میں بھی فعال شریک بن سکتے ہیں کیونکہ ان میں سے کئی ممالک پہلے ہی بعض رضاکارانہ سرگرمیوں میں فعال پارٹنر کے طور پر شریک ہیں۔ ان میں Global Action Initiative against Hunger and Poverty، Leading Group on Solidarity Levies to Fund Development اور India Brazil-South Africa Fund شامل ہیں۔

ذریعہ: اقتباسات از: اقوام متحدہ (2011)۔ Harnessing the Positive Contribution of South-South Co-operation for Least Developed Countries' Development۔ پس منظر کا مقالہ جو 19-18 فروری 2011 کو نئی دہلی میں پیش کیا گیا۔ آن لائن یہ یہاں سے دستیاب ہے: http://www.un.org/en/conf/ldc/pdf/background%20paper%20on%20south-south%20cooperation%20for%20ldcs%20development-final.pdf

© UNDP Pakistan

مکرر ارشاد

"... ترقیاتی پارٹنرز جدت کو آگے بڑھانے اور پست انسانی ترقی والے یا نازک شعبوں میں مدد دینے کے لئے عمل انگیز کا کردار ادا کرسکتے ہیں۔"

پیچا موتھوالانگووین
کنٹری ڈائریکٹر
عالمی بینک پاکستان

آپ کی رائے میں کیا پاکستان ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطرخواہ وسائل مختص کر رہا ہے؟ مختص کئے جانے والے وسائل سے ترقی کے ثمرات میں کس طرح بہتری آرہی ہے؟

پاکستان نے میکرو اکنامک مشکلات کا جواب کامیابی کے ساتھ دیا ہے اور سلسلہ وار ڈھانچہ جاتی اصلاحات پر عملدرآمد کیا ہے جن سے میکرو اکنامک میدان میں قابل ذکر استحکام پیدا ہوا ہے۔ تاہم انسانی ترقی پر مزید کافی کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ ملک کو کئی سنگین مشکلات درپیش ہیں جن میں عدم تحفظ، انسانی ترقی پر ناکافی پیشرفت اور پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کے اہدف، سست معاشی ترقی اور توانائی کا بحران وغیرہ شامل ہیں۔ جی ڈی پی میں ٹیکسوں کے تناسب کے اعتبار سے پاکستان کا شمار دنیا کے ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں یہ سب سے کم ہے۔ اگر آپ تیزی سے بڑھتی آبادی کو بھی شامل کرلیں تو موجودہ وسائل انسانی ترقی کے لاتعداد مسائل سے نمٹنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

تاہم یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ اٹھارہویں ترمیم اور ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے بعد اہم ترجیحی شعبوں پر صوبوں کی طرف سے اخراجات میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ بہرحال چیلنج بہت بڑا ہے۔ لاکھوں بچے سکول سے باہر ہیں اور صحت کے شعبے میں بھی نتائج اتنے متاثر کن نہیں ہیں۔ صحت اور تعلیم پر اخراجات میں اضافہ کے باوجود سماجی نتائج میں بہتری کی سست رفتار فنڈز کی تخصیص اور آپریشنل شعبے کی ناقص کارکردگی کی نشاندہی کرتی ہے۔ معیاری خدمات کی فراہمی کے لئے حکومت کی استعداد پست ہے۔ ترقیاتی شعبے کے لئے وسائل میں اضافہ واقعی ضروری ہے لیکن یہ ثمرات کو بہتر بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ضروریات کے مطابق وسائل کی تخصیص مستحکم بنانا اور رقم کا صحیح نعم البدل حاصل کرنے پر زور دینا بھی ناگزیر ہے۔

حکومت کو ایسے بیانیہ کو آگے بڑھانے پر کام کرنا ہوگا جس میں ٹیکس ادائیگی کی حوصلہ افزائی ہو اور اسے ترقی کے ثمرات کے ساتھ جوڑا جائے۔ یہ امر بھی ضروری ہے کہ حکومت نجی شعبے کے ساتھ مل کر کام کرے، سرمایہ لگانے والے فریق کا کردار سنبھالے اور نجی شعبے کو خدمات کی فراہمی کے قابل بنائے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے پاکستان کی اصل مشکلات کیا ہیں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے درکار وسائل کی کمی دور کرنے کے لئے پاکستان کس قدر تیار ہے؟

ٹیکسوں کی کم وصولی کی وجہ سے حکومت ترقیاتی شعبے پر زیادہ رقوم خرچ نہیں کرپاتی۔ وفاقی اور صوبائی دونوں سطح پر یہ بات سچ دکھائی دیتی ہے۔ وصولی پر زور دینے کے علاوہ حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسے بیانیہ کو بھی آگے بڑھائے جس میں ٹیکس ادائیگی سماجی اور قومی ذمہ داری کے زمرے میں آتی ہو۔ ٹیکسوں میں اضافہ کے بغیر حکومت ترقی کے ثمرات بہتر بنانے کے لئے درکار وسائل مختص نہیں کرپائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت کو اپنے اخراجات کے معیار کا بھی جائزہ لینا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ وہ معاونت والے شعبوں کو کس طرح ترجیح دیتی ہے۔ مالی رکاوٹوں کے پیش نظر حکومت کو چاہئے کہ وہ نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کرے کہ وہ خاص طور پر ان شعبوں میں آگے آئے جہاں مواقع سب سے زیادہ ہیں اور یوں کمیاب وسائل کا رخ اس طرف موڑے جہاں ان کی ضرورت سب سے زیادہ ہے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے نئے اور اضافی غیر حکومتی ریونیو ذرائع کے حوالے سے آپ کے نزدیک بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے نجی شعبے کے کردار کو کس طرح بروئے کار لایا جاسکتا ہے؟

پاکستان اگر متوسط آمدنی والے کامیاب ملک کی حیثیت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے نجی شعبے کو بھرپور انداز میں فعال بنانا ہوگا جو سالانہ بنیاد پر درکار روزگار کے لاکھوں مواقع پیدا کرسکے۔ اس سے افزائش تیز ہوگی، گھرانوں کی آمدنی بڑھے گی اور ٹیکس ادائیگی میں بہتری آئے گی۔ ترقی اور اس سے جڑی نجی سرمایہ کاری میں نجی شعبے کا کردار بہت اہم ہے اور بڑھ رہا ہے۔ یہ پاکستان سمیت ترقی پذیر ملکوں کے لئے نئی طرز کے مواقع پیش کرتا ہے کہ وہ نجی سرمایہ کو ترقی کے میدان میں لانے کا جائزہ لیں اور اسے استعمال میں لائیں۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری کی بدولت پاکستان میں نجی سرمایہ کی افزائش بھی دیکھنے کو مل رہی ہے (اگرچہ اس وقت یہ کم ہے)۔ ترقیاتی پارٹنرز جدت کو آگے بڑھانے اور پست انسانی ترقی والے یا نازک شعبوں میں مدد دینے کے لئے عمل انگیز کا کردار ادا کرسکتے ہیں۔ حکومت، ترقیاتی پارٹنرز اور نجی شعبے کو چاہئے کہ وہ سرمایہ لگانے کے جدت آمیز طریقوں کا جائزہ لیں جن میں نجی اور سرکاری شعبے کے درمیان اشتراک اور مل کر سرمایہ لگانے کے دیگر ممکنہ طریقے شامل ہیں۔ اس سے ہمیں بے پناہ وسائل مل سکتے ہیں جن کی بدولت ترقی کے ثمرات میں نمایاں اضافہ ہوسکتا ہے۔

مکرر ارشاد

"...اگر ملک میں سرمایہ کاری کا ماحول سازگار ہوگا تو یہ بین الاقوامی منڈیوں کے لئے بھی پرکشش ہے۔جس سے پاکستان کو "گلوبل ویلیو چین" (Global Value Chain) میں بہتر کارکردگی دکھانے میں مدد ملے گی۔"

ڈاکٹر ورنرلیپیک

کنٹری ڈائریکٹر
پاکستان ریزیڈنٹ مشن، ایشیائی ترقیاتی بینک (اے ڈی بی)

آپ کی رائے میں کیا پاکستان ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطرخواہ وسائل مختص کر رہا ہے؟ مختص کیے جانے والے وسائل سے ترقی کے ثمرات میں کس طرح بہتری آرہی ہے؟

پاکستان ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطرخواہ وسائل مختص نہیں کر رہا۔ اگرچہ اس مقصد کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے لیکن معاملہ اس کے آس پاس بھی کہیں نظر نہیں آتا کہ ملک اس مشکل پر قابو پالے گا۔ تاہم یہ صرف پاکستان کا ہی مسئلہ نہیں کیونکہ یہ سب ترقی پذیر ملکوں کا معاملہ ہے کہ معاشی توازن برقرار رکھنے کے لئے انہیں اخراجات کو قابو میں لانا پڑتا ہے۔ سماجی شعبے کے حوالے سے پاکستان نے خام ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کا چار فیصد اس پر خرچ کرنے کا عزم کر رکھا ہے تاہم فی الوقت اس کا نصف بھی اس پر خرچ نہیں ہو رہا۔ بنیادی ڈھانچے کے میدان میں بھی یہی صورتحال دیکھنے کو ملتی ہے۔ لہٰذا کمی صاف ظاہر ہے جسے دور کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ فرق مسلسل بڑھ رہا ہے۔ سوال اب یہ ہے کہ اس خلاء کو کس طرح دور کیا جائے اور ایشیائی ترقیاتی بینک اس میں اپنا کردار کہاں ادا کرسکتا ہے۔

وسیع معنوں میں ترقیاتی فنڈز کے تین ذرائع ہیں۔ پہلا، وسائل پیدا کریں جو حکومت خود کرتی ہے اور بنیادی طور پر یہ ٹیکسوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ ٹیکس وصولی ایک بڑا چیلنج ہے۔ مثال کے طور پر یورپ میں ہسپتالوں، تعلیم اور دیگر شہری سہولیات وغیرہ کی ادائیگیاں ٹیکسوں کے ذریعے ہوتی ہیں کیونکہ وہاں یہی نظام رائج ہے جس کے نتیجے میں عوام کو انفرادی طور پر ہر سہولت کے لئے ادائیگی نہیں کرنا پڑتی۔ حکومت کی جانب سے وسائل کو بروئے کار لانے کا عمل ناکافی ہے۔

دوسرا ذریعہ گرانٹ کی صورت میں ملنے والی امداد ہے جو فلاحی تنظیموں کی طرف سے ہوسکتی ہے یا بین الاقوامی عطیہ دہندگان کی طرف سے۔ پاکستان کے معاملے میں، جہاں اگرچہ ملک ٹیکس ادائیگی کے میدان میں پیچھے ہے، لیکن لوگ خیرات وغیرہ دینے کے معاملے میں کافی کھلے دل کے مالک ہیں جس کی بدولت یہ ذریعہ موثر ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اس شعبے میں ملنے والی امدادی رقم کو کس طرح موثر طریقے سے استعمال کیا جائے اور ظاہر ہے عطیات سے آپ ایک حد تک کچھ کرسکتے ہیں۔

آخری ذریعہ سرمایہ کاری قرضوں کا ہے۔ سرمائے کی کمی کا بڑا حصہ اس ذریعے سے پورا کیا جاتا ہے۔ نظریہ کے اعتبار سے دیکھیں تو قرضے اس انداز میں ہونے چاہئیں کہ یہ معاشی اور سماجی لحاظ سے دیرپا ہوں۔ لہٰذا جہاں تک قرضے موثر طریقے سے استعمال ہو رہے ہوں، قرضے لینا معقول لگتا ہے۔ یہاں ایشیائی ترقیاتی بینک جیسے اداروں اور نجی شعبے کا کردار بیچ میں آجاتا ہے۔

بحیثیت مجموعی تخصیص کا کام بھرپور طریقے سے نہیں ہو رہا۔ ترقی پر بلند ترین اثرات مرتب کرنے والی ترجیحات کے تعین پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس بات کا احساس کرنا ہوگا کہ ہم ایک سیاسی ماحول میں رہتے ہیں جس کے اپنے سیاسی تقاضے ہوتے ہیں جن کے تحت مختص شدہ رقوم کے خرچ کا تعین ہوتا ہے۔ پاکستان میں احتساب کا نظام اس طرح جدید شکل میں نہیں ہے جس طرح یہ ترقی یافتہ ملکوں میں ہے۔ اس ضمن میں اہم اداروں کا جائزہ لینے اور اس بات کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کون سی ترجیحات کو ضروری اہمیت دی جائے۔ پاکستان میں سڑکوں اور بس سٹمز وغیرہ کی تعمیر کو ترقی تصور کیا جاتا ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے کس کو فائدہ پہنچ رہا ہے؟ غریب لوگوں کی زندگیوں پر ان کے اثرات کیا ہیں؟ آگے بڑھنے کے لئے کون سی مراعات کی ضرورت ہے؟ کسی چیز کی خواہش کرنا ایک الگ بات ہے جبکہ یہ دیکھنا اور بات کہ کیا واقعی آپ کو اس کی ضرورت ہے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے پاکستان کی اصل مشکلات کیا ہیں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے درکار وسائل کی کمی دور کرنے کے لئے پاکستان کس قدر تیار ہے؟

ایک چیلنج تو یقیناً یہ ہے کہ یہ کس قدر شفاف ہیں اور ان کی پیش بینی کس حد تک ممکن ہے۔ پاکستان میں مجموعی سرمایہ کاری ماحول میں معاشی استحکام، پالیسی ماحول اور سلامتی کے اعتبار سے کافی بہتری آئی ہے۔ لہٰذا نجی شعبے کو اپنی طرف مائل کرنے کے معاملے میں ملک کہیں بہتر پوزیشن میں آگیا ہے۔ تاہم یہ دنیا مقابلے سے بھرپور ہے اور آپ ادھر ادھر پھسلتے رہنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً آئی ایف سی اور عالمی بینک کی طرف سے تیار کی جانے والی بزنس رینکنگ میں پاکستان کا رینک بہتر نہیں ہوا جبکہ اس کے مقابلے میں دیگر ملکوں نے بہتری دکھائی ہے۔

پاکستان کے لئے ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ جی ڈی پی پر ٹیکس کا تناسب دیگر ملکوں کے مقابلے میں قدرے کم نظر آتا ہے۔ اگرچہ اس کا اعتراف اب بڑھ گیا ہے لیکن جب دیگر ملکوں کے ساتھ ترقی کی اس سطح پر موازنہ کیا جاتا ہے تو پاکستان پیچھے نظر آتا ہے۔ ٹیکس نظام کا پھیلاؤ بھی بہت ناہموار ہے جس میں محض کچھ لوگ ہی ٹیکس ادا کر رہے ہیں۔ لہٰذا ٹیکس نظام کو بہتر اور زیادہ موثر بنانے کی ضرورت ہے۔

مقامی اور صوبائی حکومتوں کے پاس بھی فنڈز جمع کرنے کی کافی گنجائش موجود ہے۔ ٹیکس استعداد ایک ایسی چیز ہے جسے ہر اعتبار سے یعنی مثال کے طور پر زراعت ہو یا جائیداد، پارکنگ فیس ہو یا کچھ اور، ہر شعبے کا جائزہ لینا پڑتا ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ جہاں جہاں لوگوں کو اچھی خدمات ملتی ہیں وہ پیسے دینے میں کوئی عذر محسوس نہیں کرتے۔

جہاں تک ایشیائی ترقیاتی بینک کا تعلق ہے تو حالیہ سالوں میں ہم نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ کافی وسیع کیا ہے۔ ہم نے گزشتہ چند سالوں میں امداد کے استعمال کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ اصل بات عزم نہیں بلکہ استعمال ہے اور پاکستان نے اس حوالے سے واقعی بہتری دکھائی ہے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے نئے اور اضافی غیر حکومتی ریونیو ذرائع کے حوالے سے آپ کے نزدیک بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے نجی شعبے کے کردار کو کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟

امیدیں بہت تھیں، خاص طور پر نوے کی دہائی کے اواخر میں کہ نجی شعبہ زیادہ فعال ہوگا لیکن متعدد مالی بحرانوں کے باعث نجی شعبہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوگیا ہے۔ اس بات کا اعتراف بڑھ رہا ہے کہ نجی شعبے کو لانا ضروری ہے لیکن محض یہی مسئلے کو حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ لہٰذا ایشیائی ترقیاتی بینک اور اس طرح کے دیگر کثیر رخی اداروں کی ضرورت اس وقت پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے تاکہ اس فرق کو دور کیا جا سکے جسے محض دیگر دستیاب وسائل کے ذریعے دور نہیں کیا جا سکتا۔

رقم کے علاوہ ایشیائی ترقیاتی بینک اپنے ساتھ موثر عملدرآمد بھی لاتا ہے۔ ہم رقم کا صحیح نعم البدل یقینی بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور ممکنہ حد تک کرپشن سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ مزید برآں، اے ڈی بی بنیادی معیارات (Benchmark) اور یکساں معیارات (Standards) کی بات کرتا ہے جن کا نتیجہ ہے کہ حکومت اسے ترجیح دیتی ہے۔ لہٰذا اے ڈی بی اس امر کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ رقم وہیں استعمال ہو جس کے لئے یہ آئی اور دوسرا، یہ معاشی، سماجی اور ماحولیاتی اعتبار سے سرمایہ کاری کی پائیداری کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ ہم نئے خیالات سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے تصورات اور ٹیکنالوجیز کی سرپرستی کرتے ہیں جو پہلے متعارف نہیں کرائے گئے، خطے کے اندر علم اور معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں، علم اور معلومات منتقل کرتے ہیں اور اس میں مدد دیتے ہیں۔

نجی شعبہ چاہتا ہے کہ معاشیات، قانون کی حکمرانی اور سلامتی کے اعتبار سے ایک خاص حد تک استحکام ہو اور حالات کی پیش بینی ممکن ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ایک خاص حد تک مالی فوائد ہوں۔ یعنی یہ دونوں عوامل بیک وقت اپنا اثر دکھائیں۔ مقابلہ کافی زیادہ ہے اس لئے ایسا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو نجی شعبے کے لئے سازگار اور پرکشش ہو۔ اے ڈی بی جیسے ادارے ان حوالوں سے مدد دے سکتے ہیں کہ معاشی استحکام بہتر ہو، معاہدوں کی پاسداری کی پیش بینی ممکن ہو اور سرمایہ کاری کو ایسے طریقوں سے تحفظ حاصل ہو جو نجی شعبے کو لانے کے لئے وضع کئے گئے ہوں۔ لہٰذا اے ڈی بی نہ صرف پیسہ لاتا ہے بلکہ یہ ایسے طریقے بھی لاتا ہے جنہیں استعمال میں لا کر آپ سرمایہ کاری بڑھا سکتے ہیں اور یہی چیز اے ڈی بی کو منفرد بناتی ہے۔

نجی شعبے کو تمام شعبوں میں نمایاں کردار ادا کرنا ہے اور سوال یہ ہے کہ آپ نجی شعبے سے کس کردار کی توقع رکھتے ہیں۔ کیا آپ اس سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ سرمایہ لگائے یا منصوبوں پر عملدرآمد کرے؟ فنڈز کا موثر استعمال نجی شعبے کے لئے ایک موزوں کردار ہو سکتا ہے۔ نجی شعبے کی طرف سے سرمایہ لگانے کا کردار خطرات مول لینے سے جڑا ہے۔ سرمایہ کاری کے ایسے طریقوں کا جائزہ لیا جائے جن کے مالی ثمرات زیادہ ہوں۔ اس ضمن میں اگر آپ نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ کاروبار میں سرمایہ کاری کرے اور کاروباری سرگرمیوں کو فروغ دے تو اس سے بھی ترقی کی رفتار بڑھ سکتی ہے اور مقامی طور پر تربیت یافتہ افراد کے لئے روزگار کے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں اور مقامی ذہنوں کے بین الاقوامی منڈی کا رخ کرنے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اگر ملک میں سرمایہ کاری کا ماحول سازگار ہوگا تو یہ بین الاقوامی منڈیوں کے لئے بھی پرکشش ہے جس سے پاکستان کو ''گلوبل ویلیو چین'' (Global Value Chain) میں بہتر کارکردگی دکھانے میں مدد ملے گی۔ انجام کار معاشی و کاروباری سرگرمیاں ہوں گی تو روزگار کے مواقع بھی پیدا ہوں گے۔ لہٰذا نجی شعبے کو واقعی ملک میں معاشی سرگرمیوں کے روح رواں کا کردار ادا کرنا چاہئے۔ اس سے ٹیکس اور روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے اور پھر اگر ٹیکسوں کو عمدہ طریقے سے استعمال کیا جائے تو یہ واپس سرمایہ کاری کی طرف آ جاتے ہیں، جس کے تحفظ کے لئے احتساب کے عمدہ نظام ہونے چاہئیں اور یوں یہ سلسلہ بڑھتا چلا جائے گا۔

ایشیائی ترقیاتی بینک جیسے ادارے ترقی میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ ماضی میں قابل ذکر پیشرفت ہوئی ہے لیکن قابل ذکر مشکلات ابھی بھی دور ہونا باقی ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ کئی کردار مل کر کام کریں۔

مکرر ارشاد

"...یہی وقت ہے کہ وسائل کو ترقی دی جائے اور اندرون و بیرون ملک دونوں طرف سے سرمایہ کاری کو پرکشش بنایا جائے۔"

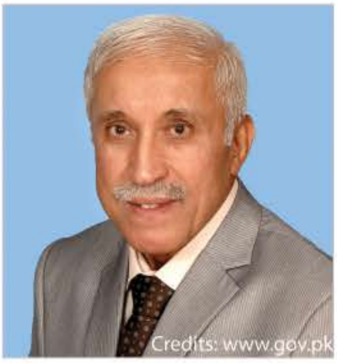

قیصر احمد شیخ
رکن قومی اسمبلی

آپ کی رائے میں کیا پاکستان ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطر خواہ وسائل مختص کر رہا ہے؟ مختص کئے جانے والے وسائل سے ترقی کے ثمرات میں کس طرح بہتری آرہی ہے؟

ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطر خواہ وسائل مختص نہیں کئے جا رہے۔ ملک کو درپیش اصل مشکلات میں تعلیم، صحت، بنیادی ڈھانچہ، زرعی پیداوار و معیار، خدمات وصنعت بالخصوص 'ویلیو ایڈڈ' (Value-Added) صنعت جیسے شعبوں میں بہتری شامل ہیں۔ براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کے لئے ساز گار ماحول اور کاروبار کرنے میں آسانی پیدا کرنا بھی ایک چیلنج ہے۔

اگرچہ ملکی ریونیوز بڑھ رہے ہیں جو فیڈرل بورڈ آف ریونیو (ایف بی آر) کے مطابق 13-2012 میں 1950 ارب روپے تھے اور 16-2015 میں 3100 ارب روپے تک پہنچ گئے لیکن تین سال میں 37 فیصد کا اضافہ جی ڈی پی کے فیصد تناسب کے طور پر تقریباً 11 فیصد بنتا ہے جو خاصا کم دکھائی دیتا ہے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے پاکستان کی اصل مشکلات کیا ہیں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے درکار وسائل کی کمی دور کرنے کے لئے پاکستان کس قدر تیار ہے؟

میں پہلے سوال کے جواب میں بھی ذکر کر چکا ہوں کہ ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات پر پورا اترنے کے لئے مزید فنڈز درکار ہیں۔ فی الوقت ٹیکس ریونیوز کا اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ یہ مستقبل میں جی ڈی پی کا 15 فیصد ہوں گے۔ بالواسطہ ٹیکسوں کے مقابلے میں بلاواسطہ ٹیکسوں پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ حکومت اور فنانس کمیٹی نے بلاواسطہ ٹیکسوں کے حوالے سے درج ذیل اقدامات کئے ہیں:

الف زیادہ تر 'سٹیچوٹری ریگولیٹری آرڈرز' جن سے منتخب صنعتوں اور کاروباری اداروں کو فائدہ پہنچ رہا تھا، حذف کر دیئے گئے ہیں۔

ب نان فائلرز کے لئے بینک لین دین پر 0.4 فیصد ٹیکس عائد کر دیا گیا ہے۔

ج اندراج کے سلسلے میں جائیداد کی مالیت کے تجزیہ اور ایف بی آر کی جانب سے مارکیٹ ویلیو کے تجزیہ میں بھی کئی گنا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ مالیت کے اس تعین کو مارکیٹ کی قیمتوں کے قریب لایا جا سکے اور ٹیکسوں میں اضافہ کیا جا سکے۔

وسائل کی کمی دور کرنے کے لئے ریونیو بڑھانے بالخصوص بلاواسطہ ٹیکسوں سے متعلق اقدامات پر غور و خوض اور اقدامات تجویز کرنے کے لئے قومی اسمبلی کی فنانس کمیٹی سلسلہ وار اجلاس منعقد کر رہی ہے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے نئے اور اضافی غیر حکومتی ریونیو ذرائع کے حوالے سے آپ کے نزدیک بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے نجی شعبے کے کردار کو کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟

بین الاقوامی ترقیاتی ادارے بالخصوص تعلیم، خاص طور پر انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی سے متعلق اداروں کے معاملے میں انتہائی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ویلیو ایڈڈ اور برآمدی صنعتوں کے قیام اور ان کی معاونت کے علاوہ بنیادی ڈھانچے کی ترقیاتی سرگرمیاں بھی ایسے میدان ہیں جن میں نجی شعبہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔

نجی شعبے کو زراعت پر مبنی کاروباری ادارے بنانے اور چلانے کا بیڑہ اٹھانا چاہئے اور صنعت میں سرمایہ کاری کرنی چاہئے۔ اس سے براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کو ترغیب ملے گی اور غیر ملکی پارٹنرز کے ساتھ جوائنٹ وینچرز کے ذریعے ملک میں ٹیکنالوجی منتقل ہو گی جس سے وسائل آئیں گے۔ پاکستان میں ایکوئٹی پر منافع کا تناسب خاصا پرکشش ہے۔ امن و امان کی صورتحال بہتر ہو رہی ہے۔ یہی وقت ہے کہ وسائل کو ترقی دی جائے اور اندرون و بیرون ملک دونوں طرف سے سرمایہ کاری کو پرکشش بنایا جائے۔ نجی شعبے میں بے پناہ استعداد موجود ہے اور وہ معیشت کے کئی شعبوں میں ترقی کو فروغ دے سکتا ہے۔

ڈاکٹر عابد سلہری

ایگزیکٹو ڈائریکٹر
سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ پالیسی انسٹی ٹیوٹ (ایس ڈی پی آئی)

مکرر ارشاد

"... بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان خلاء کو دور کرنے کے لئے ٹیکنالوجی کی منتقلی جیسے اقدامات کر سکتے ہیں اور یوں مقامی مسائل کے عالمی حل کی بدولت ملکی تقاضوں کے مطابق دانشورانہ حقوق ملکیت کا نظام اپنانے کا موقع پیدا ہو سکتا ہے۔"

آپ کی رائے میں کیا پاکستان ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطر خواہ وسائل مختص کر رہا ہے؟ مختص کئے جانے والے وسائل سے ترقی کے ثمرات میں کس طرح بہتری آ رہی ہے؟

پاکستان کو درپیش مسائل بہت بڑے ہیں اور وسائل محدود۔ محدود وسائل پر بھرپور مقابلے کے عالم میں بعض دیگر اخراجات ترقیاتی اخراجات پر ترجیح حاصل کر لیتے ہیں اور ترقیاتی اخراجات مناسب حد تک پورے نہیں ہو پاتے۔ محض تخصیص ہی کافی نہیں ہے۔ تاریخی رجحانات سے پتہ چلتا ہے کہ ترقی کے لئے مختص کی جانے والی رقوم یا تو وقت پر جاری نہیں کی جاتیں یا پھر ریونیو وصولی / سرمایہ کی وصولی میں کمی کے باعث ان پر کٹوتیاں لگا دی جاتی ہیں۔ پاکستان میں بنیادی ڈھانچے سے متعلق اس مسئلے اور ریونیو اور اخراجات کے درمیان عدم توازن کے باعث ترقی کے لئے مختص کی جانے والی رقم سمجھوتے کا شکار رہتی ہے اور وفاقی حکومت جیسے ہنگامی حالت کے عالم میں دستیاب وسائل کو لاتعداد شعبوں میں تھوڑا تھوڑا تقسیم کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتی ہے۔ ان حالات میں ترقی کے مطلوبہ ثمرات کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے پاکستان کی اصل مشکلات کیا ہیں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے درکار وسائل کی کمی دور کرنے کے لئے پاکستان کس قدر تیار ہے؟

حکومت پاکستان کے لئے اصل چیلنج ان چار شعبوں یعنی قرض، دفاع، حکومت کے روزمرہ امور اور ترقی کے لئے رقوم مختص کرنا ہے جن کے درمیان ایک دوڑ لگی نظر آتی ہے۔ نقد وفاقی ریونیو ان میں سے پہلے تین شعبوں کے لئے ہمیشہ ناکافی رہا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چوتھے شعبے یعنی ترقی کے لئے کچھ باقی نہیں بچتا۔ اس پر دلیل یہ دی جا سکتی ہے کہ قرض ادائیگی اور دفاعی اخراجات پر سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا اور یہی حال سول حکومتی امور کا ہے۔ لہٰذا ہر سال ترقی کے لئے مختص کی جانے والی رقوم کو کسی بیرونی یا اندرونی سرمایہ کاری / امداد کے ساتھ جوڑنا پڑتا ہے جو شاید آئے یا پھر نہ آئے۔ لہٰذا ترقی پر سرمایہ کاری بے یقینی کا شکار رہتی ہے۔

موجودہ وفاقی بجٹ میں مختص کی گئی رقوم کی مثال سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ بجٹ کے مطابق نقد وفاقی ریونیو 2779.7 ارب روپے ہے جس میں سے 2572.97 ارب روپے مذکورہ بالا پہلے تین شعبوں یعنی قرض، دفاع اور حکومت کے روزمرہ امور کے کرنٹ اکاؤنٹ اخراجات کے لئے مختص ہیں۔ اگر کرنٹ اکاؤنٹ اخراجات کے باقی اجزاء یعنی پنشن، گرانٹس و منتقلی اور سب سڈیز کو بھی شامل کر لیا جائے تو کرنٹ اکاؤنٹ اخراجات 3400.1 ارب روپے تک پہنچ جائیں گے اور نقد وفاقی ریونیو اور کرنٹ اخراجات کے درمیان خسارہ 620.4 ارب روپے ہو گا۔ سرکاری شعبے کے ترقیاتی پروگرام (پی ایس ڈی پی) کے اندر اور پی ایس ڈی پی کے باہر ترقیاتی اخراجات بجٹ میں 956 ارب روپے ہیں۔ لیکن نقد وفاقی ریونیو کرنٹ اخراجات پورے کرنے کے لئے پہلے ہی کم ہے۔ لہٰذا ترقیاتی اخراجات کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جی ڈی پی میں ٹیکسوں کے پست تناسب، کل ٹیکس ریونیو میں صوبوں کے کم حصے اور نقصان میں چلنے والے سرکاری اداروں کی نجکاری میں ماضی کی حکومتوں کی ناکامی کے باعث ریونیو میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا اور مالی خسارہ قرضوں اور سرمایہ کاری کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے۔

سرکاری قرضہ 16-2015 میں جی ڈی پی کا 64.8 فیصد تھا۔ اس کا موازنہ دیگر معاصر معیشتوں کے ساتھ کریں تو یہ پریشان کن نظر آتا ہے۔ تاہم ہماری معیشت کے بنیادی عناصر اس قدر قوت نہیں رکھتے کہ کسی اندرونی اور بیرونی دھچکوں کو برداشت کر سکیں۔ مثال کے طور پر زرمبادلہ کے ذخائر کو براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری یا برآمدی آمدنی کے ذریعے نہیں بلکہ قرضے لے کر بڑھایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ادائیگیوں کے توازن کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تجارتی خسارہ بالخصوص بین الاقوامی منڈی میں تیل کی بڑھتی قیمتوں کے سیاق و سباق میں قرضوں کے حوالے سے ہماری پائیداری کے لئے ایک اور خطرہ بن سکتا ہے۔ غیر ملکی قرضوں کی واپسی اور ملکی قرضوں پر انحصار کی سوچ کے اپنے نقصانات بھی ہیں۔ اس سوچ کی وجہ سے نجی شعبے کے اخراجات ختم ہو کر رہ گئے ہیں جو لیکوئڈیٹی کے میدان میں نازک صورتحال سے دوچار ہے۔ یہ تمام عوامل ایک ایسی صورتحال کی جانب بڑھ رہے ہیں جس میں مضبوط میکرو اکنامک اشاریے مائیکرو اکنامک سطح پر سامنے نہیں آتے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے نئے اور اضافی غیر حکومتی ریونیو ذرائع کے حوالے سے آپ کے نزدیک بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے نجی شعبے کے کردار کو کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟

حکومت مختلف کاوشوں کے ذریعے اپنے ریونیو ذرائع کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ معیشت کو دستاویزی شکل دینے پر کام ہو رہا ہے تاکہ غیر رسمی معاشی سرگرمیوں میں زیر گردش دولت (جو ایک اندازے کے مطابق رسمی معاشی سرگرمیوں کے برابر بنتی ہے) کو ٹیکس دائرے میں لایا جا سکے۔ اسی طرح معاشی افزائش میں ایک بڑی رکاوٹ یعنی توانائی کی قلت پر قابو پانے کی کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ طرز حکمرانی کی اصلاحات پر بھی کام جاری ہے۔ اگرچہ بہتر طرز حکمرانی کے معاملے میں ہمارا شمار مثالی ممالک میں نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ماضی قریب کے مقابلے میں بہتری نظر آتی ہے۔ پاک چین اقتصادی راہداری کے ابتدائی ثمرات کو اگرچہ حکومت پاکستان معمولی سا بڑھا کر پیش کر رہی ہے لیکن بہرحال یہ ریونیو پر کچھ مثبت اثرات مرتب کریں گے۔ ایک مفروضہ یہ بھی ہے کہ 2018 کے عام انتخابات کی دوڑ شروع ہونے سے پہلے حکومت پاکستان کی کوشش ہو گی کہ ترقیاتی اخراجات میں بہتری لائی جائے۔ ہمیں اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ 2015 میں ادیس ابابا میں سرمایہ کاری برائے ترقی پر سربراہ اجلاس کے بعد بالکل واضح ہو گیا ہے کہ ترقی پذیر معیشتوں کو اپنی ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے مقامی وسائل کو بروئے کار لانا ہو گا۔ تاہم بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز حکومت پاکستان کو مذکورہ بالا کاوشوں یعنی طرز حکمرانی کی اصلاحات، معیشت کے دستاویزی عمل اور توانائی کی کمی پر قابو پانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ ترقی پر سرمایہ کاری میں نجی شعبہ بھی اہم کردار ادا کر سکتا ہے جس کے لئے وہ نہ صرف براہ راست سرمایہ کاری کر سکتا ہے بلکہ ہر سطح پر حکومت کے ساتھ مل کر سماجی خدمات بھی فراہم کر سکتا ہے۔ بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان خلاء کو دور کرنے کے لئے ٹیکنالوجی کی منتقلی جیسے اقدامات کر سکتے ہیں اور یوں مقامی مسائل کے عالمی حل کی بدولت ملکی تقاضوں کے مطابق دانشورانہ حقوق ملکیت کا نظام اپنانے کا موقع پیدا ہو سکتا ہے۔

محمد قزلباش

کنٹری ڈائریکٹر
آکسفیم پاکستان

مکرر ارشاد

"... آکسفیم نے ہمیشہ ٹیکس انصاف کے حق میں بات کی ہے اور ٹیکسوں سے پاک پناہ گاہوں اور سرمایہ کے غیر قانونی بہاؤ کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔"

آپ کی رائے میں کیا پاکستان ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطرخواہ وسائل مختص کر رہا ہے؟ مختص کئے جانے والے وسائل سے ترقی کے ثمرات میں کس طرح بہتری آ رہی ہے؟

پاکستان ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطرخواہ وسائل مختص نہیں کر رہا۔ اگرچہ یہ ایک متوسط آمدنی والا ملک ہے لیکن آبادی کی ضروریات اس بات سے قطع نظر کہ وہ کہاں رہتے ہیں، وسیع ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اکثریت بنیادی انسانی حقوق سے محروم رہ جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آبادی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے مختص کی جانے والی وسائل کی مقدار ناکافی ہے۔ نتیجتاً ملک کو قرضوں اور گرانٹس وغیرہ کی شکل میں غیر ملکی امداد حاصل کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے سرمایہ چاہے آرہا ہے لیکن یہ سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ آیا اس سرمائے کا موثر استعمال کیا جارہا ہے اور کیا اخراجات مناسب طریقے سے کئے جارہے ہیں یا ناقص طریقے سے۔

ترقی کی مشکلات پر قابو پانے کے لئے وسائل کی تخصیص میں گزشتہ ایک دہائی کے دوران اضافہ ہوا ہے لیکن ابھی بھی یہ اصل ضرورت سے پیچھے ہے۔ ترقی کے لئے ماضی میں مختص کئے جانے والے وسائل پروژن 2025 میں کیا گیا تجزیہ کہ "اس بات کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان نے انسانی اور سماجی ترقی کو نمایاں حد تک نظرانداز کیا ہے" درست ہے کیونکہ پاکستان کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ آبادی والے ممالک میں ہوتا ہے۔ یہاں نوجوانوں کی بڑی تعداد موجود ہے اور 64 فیصد آبادی 30 سال سے کم عمر افراد پر مشتمل ہے۔ اس سے ملک کے لئے مواقع بھی پیدا ہوتے ہیں اور مشکلات بھی۔ مواقع انسانی سرمایہ کے اعتبار سے ہیں جسے اگر مناسب انداز میں ترقی دی جائے تو پاکستان کو ایک ترقی پسند اور خوشحال ملک بنانے میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے مشکلات بھی پیدا ہوتی ہیں کیونکہ معیاری تعلیم، صحت کی سہولیات اور سماجی تحفظ کی فراہمی کے میدان میں پاکستان کو جو مسائل اور مشکلات درپیش ہیں وہ کئی گنا بڑھ جاتی ہیں اور بعض حوالوں سے دیگر ترقی پذیر ملکوں کے مقابلے میں منفرد بھی ہیں۔ انتہا درجے کی عدم مساوات کے باعث پاکستان سب کی شمولیت یقینی بنانے اور ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے سے قاصر ہے۔ یہ کئی حوالوں سے پاکستانی معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہے اور سماجی قطبیت کے تباہ کن اور از خود بڑھتے سلسلے کو مزید بڑھا رہی ہے جو معاشی افزائش اور پاکستان کے ہر شہری کے لئے بنیادی حقوق کی بجا آوری میں رکاوٹ ہے۔ قومی غذائیت سروے 2011 کے مطابق پاکستان میں 58 فیصد گھرانے غیر محفوظ ہیں جبکہ دوسری جانب امیر ترین دس فیصد پاکستانیوں نے گزشتہ تین دہائیوں کے عرصے میں اپنے اثاثوں میں دن دگنارات چوگنا اضافہ کیا ہے اور 72 ملین غریب ترین افراد اراضی کے حق ملکیت، مالی خدمات تک رسائی، تعلیم، صحت کی سہولیات اور ہر اس بنیادی حق کی خاطر برسرپیکار ہیں جس کا وعدہ پاکستان کے آئین میں کیا گیا ہے۔ خواتین کی صورتحال بدترین نہج کو پہنچ چکی ہے جنہیں اراضی تک کوئی رسائی میسر نہیں، ان کی اجرتیں غیر منصفانہ ہیں، ان کے لئے ملازمت کے مواقع برائے نام ہیں اور انہیں کوئی مالی خدمات نہیں ملتیں۔ بیشتر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ عدم مساوات پر بہرحال آپ کچھ نہیں کرسکتے یا پھر یہ عالمگیریت اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کا اثر ہے۔ لیکن پاکستان کے بارے میں آکسفیم کی مطالعاتی تحقیق اور زمینی تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل "طاقتور" حلقوں کی طرف سے اپنائے گئے سوچے سمجھے سیاسی و معاشی راستے شدید تر عدم مساوات کا باعث بنے ہیں۔

جہاں تک آپ کے سوال کے دوسرے حصے کا تعلق ہے تو پاکستان اپنے زیادہ تر ہزاریہ ترقیاتی مقاصد پورے نہیں کرپایا، انسانی ترقی کے رینک میں یہ پیچھے ہے، یونیسکو کے 'ایجوکیشن فار آل ایجوکیشن ڈویلپمنٹ انڈکس' میں پاکستان کا رینک 120 ممالک میں 113 واں ہے اور یہاں سکول سے باہر بچوں کی تعداد دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے، ان چند ایک اشاریوں سے ہی صاف ظاہر ہے کہ وسائل کی موجودہ تخصیص کے نتیجے میں ترقی کے مطلوبہ ثمرات نہیں مل پائے۔ اکنامک سروے 16-2015 میں شامل اخراجات کے اعداد و شمار میں 15-2014 کے لئے ٹھوس اعداد و شمار دیئے گئے ہیں جن میں تعلیم پر اخراجات کی مالیت 598,315 روپے (جی ڈی پی کا 2.25 فیصد)، صحت و غذائیت پر 199.32 روپے (جی ڈی پی کا 0.73 فیصد) اور سماجی تحفظ و بہبود پر 124,910 روپے (بشمول بی آئی ایس پی) (جی ڈی پی کا 0.45) ہیں۔

تاہم گزشتہ چند سالوں میں پاکستان میں نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے۔ مثلاً سرکاری اور نجی دونوں شعبوں کی یونیورسٹیوں کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ ہوا ہے اور داخلے کی سطح میں بھی اسی طرح بہتری دیکھنے کو ملتی ہے۔ حالیہ سالوں میں خواتین کے داخلوں میں بھی اضافہ نظر آیا ہے جو ایک ایسا رجحان ہے جو ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں ان سنی سی بات لگتی تھی۔ تاہم تعلیم کا معیار قابل بحث ہے۔ کنفیوشس کا نظریہ کہتا ہے کہ اگر آپ سو سال کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہیں تو اپنے بچوں کو تعلیم دیں۔ لہٰذا لوگوں کو تعلیم دینا واقعی سب سے اہم ہے لیکن اصل چیز تعلیم کا معیار ہے جسے نظرانداز کردیا جاتا ہے اور یہ وہ شعبہ ہے جہاں بڑی مقدار میں وقت، کوشش اور وسائل لگانے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ نظام تعلیم کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تو اساتذہ کی تربیت پر سرمایہ کاری بھی ناگزیر ہے۔ علاوہ ازیں سماجی اور اخلاقی تعلیم بھی ایسی چیز ہے جسے نظام تعلیم میں ضروری اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ 'پوری انسانیت' ہمارے نظام تعلیم سے دور ہوگئی ہے اور اسے واپس لانا ہوگا بصورت دیگر نتیجہ ایسے تعلیم یافتہ لوگوں کی پیداوار کی صورت میں برآمد ہوگا جو سماج کے ٹھکرائے ہوئے ہوں گے اور قوم اس چیز کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ مزید برآں، کیا خواتین گریجویٹس اپنے حاصل کئے ہوئے علم کو واقعی عمل میں لاتی ہیں اور روزگار اختیار کرتی ہیں؟ ایسی صورتحال میں کیا فائدہ کہ حکومت ان کی تعلیم پر اتنا وقت لگائے اور پیسہ خرچ کرے؟ لہٰذا ایسا کچھ کہنے سے پہلے کہ آیا ہمارے پاس اپنی ترقیاتی ضروریات کے لئے وسائل زیادہ ہیں یا کم، پوری صورتحال کو سمجھنا ضروری ہے۔

میری رائے میں پاکستان کو چاہئے کہ وہ آئندہ ایک یا دو سالوں میں تعلیم، صحت اور سماجی تحفظ پر اپنے اخراجات دوگنا بڑھا کر انہیں جی ڈی پی کے موجودہ چار فیصد سے آٹھ فیصد تک لائے۔ یہ کم از کم ضرورت ہے کیونکہ اگر پاکستان پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد پورے کرنے میں سنجیدہ ہے تو اسے اس سے بھی زیادہ کی ضرورت ہوگی۔ اس کے علاوہ جب تک ان وسائل کی تخصیص غریب حامی اور صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ نقطہ نظر کے تحت وضع نہیں کی جاتی اور اس پر کام نہیں کیا جاتا اس وقت تک مطلوبہ اثرات حاصل نہیں ہوں گے۔ اس ضمن میں دیگر اقدامات کے علاوہ آکسفیم کا "سرمایہ برائے ترقی پراجیکٹ" بھی حکومتوں کو تعلیم، صحت اور سماجی تحفظ کے شعبوں میں خدمات کی فراہمی بہتر بنانے میں مدد دینے کے لئے "شیڈو ڈسٹرکٹ بجٹ" (Shadow District Budget) کی تیاری جیسے موضوعات پر تحقیق کا اہتمام کر رہا ہے۔ بہرحال حکومت کو اداروں میں موزوں وسائل کی تخصیص کرنا ہوگی تاکہ

خدمات کی موثر فراہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔ اسے چاہئے کہ وہ عطیہ دہندگان اور نجی شعبے بالخصوص پاکستانی تارکین وطن کو سرمایہ کاری کے ان مواقع سے آگاہ کرے۔

فرض کے اس احساس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے حصے کے ٹیکس ادا کرنا ہر شہری کی ذمہ داری ہے۔ بیس کروڑ افراد میں سے صرف دس لاکھ افراد ٹیکس دیتے ہیں اور 80 فیصد کوئی ٹیکس نہیں دیتے۔ عام سی دلیل دی جاتی ہے کہ ہمیں ٹیکس دینے کے بدلے ملتا کیا ہے۔ درست۔ لیکن ہم پہلی دلیل کی طرف پہلے آجاتے ہیں کہ اپنے حصے کا ٹیکس دیں۔ جہاں تک اس دلیل کے دوسرے حصے کا تعلق ہے کہ یہ ٹیکس کہاں خرچ ہوتے ہیں تو اس سلسلے میں غریب حامی پالیسیاں موجود ہیں۔

آکسفیم کے نقطہ نظر سے ترقی پر سرمایہ کاری ناگزیر ہے اور یہ ملکی سالمیت کا طرہ امتیاز ہے۔ لہٰذا ملکی سالمیت کو درست رکھنے اور بہتر بنانے کے لئے ترقی پر سرمایہ لگانا ضروری ہے۔ اس کا آغاز آپ کی ذات سے ہوتا ہے کہ آپ اپنا ٹیکس ادا کریں جو اس ملک کے حوالے سے آپ کا بنیادی فرض ہے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے پاکستان کی اصل مشکلات کیا ہیں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے درکار وسائل کی کمی دور کرنے کے لئے پاکستان کس قدر تیار ہے؟

ترقی پر سرمایہ کاری کے اعتبار سے پاکستان کو متعدد اہم مشکلات درپیش ہیں۔ اسے اپنے طرز حکمرانی، پالیسیوں اور نظاموں میں بنیادی اور ٹھوس نوعیت کی تبدیلیاں لانا ہوں گی تاکہ یہ اپنے تمام ملکی، بین الاقوامی، سرکاری، نجی اور کمرشل وسائل کو اپنی ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے بروئے کار لا سکے۔ مختصراً، اس کا مطلب یہی ہوگا کہ یہ ملک خود اپنی سرمایہ کاری استعداد پر لگے قفل کو توڑ کر معاشی عدم مساوات اور غربت کو ختم کرے اور اس کام کے لئے بیرونی امداد پر انحصار نہ کرے (جو اس مقصد کے لئے کبھی پوری نہیں پڑے گی)۔ پاکستان اس کے لئے تیار نہیں ہے کیونکہ روز اول سے نظام ہی اپنی جگہ موجود نہیں ہے۔ اشرافیہ ایسی پالیسیاں چاہتی ہے جو اس کے حق میں ہوں اور یہی کام حکومت کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ غریب حامی پالیسیاں سامنے لانے پر ردعمل سامنے آتا ہے۔

میرے نزدیک سب سے بڑا چیلنج مالی پالیسیوں اور نظام کی اصلاح ہوگا جس کے لئے سیاسی عزم کی ضرورت ہوگی اور حکومت کو اس سلسلے میں کئی طرح کے مخصوص مفادات پر قابو پانا ہوگا۔ ریونیو کی جانب ان اصلاحات میں ضروری ہوگا کہ بالواسطہ ٹیکس اور ودہولڈنگ نظام پر مبنی ٹیکسوں کے موجودہ رجعت پسندانہ نظام کو ایک ترقی پسند اور منصفانہ نظام میں تبدیل کیا جائے اور یوں ایسے ٹیکس لائے جائیں جو ضروری ہوں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ ہر شخص اپنی آمدنی اور دولت کے مطابق ٹیکس ادا کرے۔ ایس آر او (سٹیچوٹری ریگولیٹری آرڈرز) کلچر اور اشرافیہ کو ٹیکس استثناء دینے کا سلسلہ ختم کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ یہ ہر سال قومی خزانے کو تقریباً 600 ارب روپے کا نقصان پہنچاتے ہیں۔ معیشت کے دستاویزی عمل میں اضافہ، سرمایہ کے غیر قانونی بہاؤ میں کمی اور موجودہ وسائل کا عمدہ استعمال وہ دیگر مشکلات ہیں جن پر اس سلسلے میں پاکستان کو قابو پانا ہوگا۔ اخراجات کی جانب آئیں تو تبدیلیوں کے ذریعے یقینی بنانا ہوگا کہ حکومتی اخراجات غریب حامی اور صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ نقطہ نظر سے اور قابل احتساب، شمولیت پر مبنی اور شفاف انداز میں کئے جائیں۔ ریاست کو پیسہ انہی پر خرچ کرنا ہوگا جنہیں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

ایک اور بڑی مشکل اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ نجی شعبہ ترقی پر سرمایہ کاری میں اپنا ضروری کردار ذمہ دارانہ انداز میں ادا کرے۔ حکومت کو یہ بات یقینی بنانے کے لئے موزوں حفاظتی اقدامات عمل میں لانا ہوں گے کہ سرکاری پیسے کو مشکوک ثمرات والی سرکاری و نجی کاوشوں پر نہ لٹایا جائے۔ کارکنوں کے حقوق کا تحفظ اس ضمن میں ایک بڑا چیلنج ہوگا۔ حکومت اور پاکستانی عوام ظاہر ہے وسائل کے فرق کو دور کرنے کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں اور جیسا کہ وژن 2025 سے ظاہر ہوتا ہے اس اہم کام کی تکمیل کے لئے متعدد ٹھوس منصوبے اور اقدامات بھی اپنی جگہ موجود ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان منصوبوں کو عمل کا روپ دینے کے لئے سیاسی عزم کی ضرورت ہوگی۔ ملک کے شہریوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پورے سیاسی و معاشی نظام کی کایا پلٹنے کے لئے درکار سیاسی عزم کا مطالبہ کرنے اور اسے پیدا کرنے میں اپنا فعال کردار ادا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آکسفیم کا ''سرمایہ برائے ترقی'' پراجیکٹ سول سوسائٹی اور شہریوں میں آگاہی پیدا کرنے اور ان کی استعداد بہتر بنانے پر زور دے رہا ہے تاکہ وہ مطلوبہ تبدیلیوں کا مطالبہ سامنے لانے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

وسائل کا خلاء دور کرنے کے معاملے میں پاکستان کو مدد کے لئے بین الاقوامی برادری کی طرف دیکھنے کے بجائے خود کفیل ہونا چاہئے۔ قوموں کی تعمیر اپنی مدد آپ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اسی لئے پاکستانی تارکین وطن آکسفیم جیسی نجی کمپنیوں کو فنڈز دینے کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ یہ رقم حقیقت میں انہی لوگوں کے فائدے کے لئے استعمال ہوگی جن کے لئے دی جاتی ہے۔ جب آپ اپنے گھر کا نظام درست کرلیں اور اپنے شہریوں کے سامنے ثابت کرکے دکھادیں کہ آپ کا نظام منصفانہ ہے تو لوگ ٹیکس دینے لگیں گے اور اپنے ملک میں واپس سرمایہ لگانے لگیں گے۔ ساری ذمہ داری ملک کی قیادت اور طرز حکمرانی پر عائد ہوتی ہے اور جہاں مضبوط قیادت موجود ہو، قانون کی حکمرانی مستحکم ہو اور لوگوں کو یقین ہو کہ ان کی آواز سنی جائے گی اور وہ اپنے حق کے مطابق اپنے لئے گنجائش کا مطالبہ کرنے کے قابل ہوں گے تو تبھی وہ سرمایہ لگانے پر تیار ہوں گے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے نئے اور اضافی غیر حکومتی ریونیو ذرائع کے حوالے سے آپ کے نزدیک بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے نجی شعبے کے کردار کو کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟

بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کو اس سلسلے میں ایک نمایاں کردار ادا کرنا ہے۔ انہیں ترقی پذیر ملکوں میں طرز حکمرانی کے ڈھانچے بالخصوص مالیاتی پالیسی اور طرز حکمرانی بہتر بنانے میں مدد دینا ہوگی اور ٹیکس چوری اور سرمائے کی ٹیکسوں سے آزاد پناہ گاہوں کی طرف غیر قانونی اڑان کو روکنے کے لئے عالمی مالیاتی ڈھانچے کی نئے سرے سے تشکیل کرنا ہوگی۔ ان کا کردار اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ وہ طرح طرح کی معاشی، سماجی اور ماحولیاتی مشکلات سے نمٹنے کے لئے سرمایہ پیدا کرنے کے لئے یقینی بنائیں کہ ترقی پذیر ممالک او ڈی اے / جی این آئی کے تحت اپنے وعدے طے شدہ مدت کے اندر اور قابل عمل انداز میں پورے کریں۔ ترقی پذیر ملکوں میں مقامی سول سوسائٹی کی استعداد میں بہتری بھی لازم ہے تاکہ وہ مالی اور مالیاتی انصاف کو فروغ دینے، مالیات میں سب کی شمولیت بہتر بنانے اور حکومتی اخراجات کی نگرانی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔ حکومت، نجی شعبے اور بین الاقوامی اداروں کے احتساب کے حوالے سے بھی بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔

نجی شعبہ جہاں ایک اور قوت ثابت ہوسکتا ہے وہیں ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ نجی شعبے کا اپنا ایجنڈا ہے۔ اگر ماحول کافی حد تک سازگار ہے تو نجی شعبہ وہاں سرمایہ کاری کرے گا۔ تاہم آپ ان پر یکسر انحصار نہیں کرسکتے کیونکہ وہ اس کھیل کے کھلاڑی ضرور ہیں لیکن واحد کھلاڑی نہیں۔ نجی شعبہ، اس کے ساتھ حکومت اور آمدنی کے دیگر ذرائع سب مل کر اس خلا کو دور کرسکتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ نظام عمدہ طریقے سے کام کرے تو تمام شعبوں کو ایک بندھن میں جڑ کر کام کرنا ہوگا۔ لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہم نے پائیدار ترقی کے بلند نظر مقاصد کو حاصل کرنا ہے تو نجی شعبے کو اس میں ایک اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔ تاہم آکسفیم اور اس کے ہم خیال افراد اور تنظیمیں اس حکمت عملی سے اتفاق نہیں کرتے کہ موزوں حفاظتی اقدامات کے بغیر ترقی کا سارا کام محض نجی شعبے کے حوالے کردیا جائے۔ ایسے کوئی شواہد نہیں ملتے کہ اس حکمت عملی سے درست نتائج سامنے آئے ہوں۔

آکسفیم کے نزدیک نجی شعبے کا سب سے اہم کردار یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک ذمہ دار ٹیکس دہندہ بن کر دکھائے۔ نجی شعبہ خاص طور پر ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے ٹیکس وہیں ادا کریں جہاں سے وہ کماتے ہیں اور ٹیکسوں سے پاک پناہ گاہوں کے استعمال کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ فی الوقت نجی شعبہ ٹیکسوں سے گریز اور چوری کی حکمت عملیوں کو استعمال کرتے ہوئے اربوں ڈالر کے ٹیکس ادا نہیں کرتا۔ یہ پیسہ لاکھوں غریب افراد کی زندگیاں بدلنے کے لئے استعمال ہوسکتا ہے۔ آکسفیم نجی شعبے کی طرف سے ترقیاتی ترجیحات پر سرمایہ لگانے کی مخالف نہیں بلکہ وہ نجی سرمایہ سے درپیش خطرات کی نشاندہی کرتی ہے اور ایسے حفاظتی اقدامات کی ضرورت کے حق میں بات کرتی ہے جو اس امر کو یقینی بنائیں کہ سرکاری پیسہ سرکاری و نجی شعبے کی ایسی کاوشوں پر نہ لٹادیا جائے جو غریب افراد کے لئے مشکوک ثمرات کے حامل ہوں۔

آخری بات، جدت ہر جگہ ایک ہی طریقے سے کام نہیں کرتی۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اہم ہے۔ اس کی ایک اہم مثال بنگلہ دیش کا گرامین بینک ہے جس کی غریب حامی پالیسیوں کی بدولت غریب اس قابل ہوگئے ہیں کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکیں اور اپنے لئے ایک دیرپا طرز زندگی پیدا کرسکیں اور یہ سب ان چھوٹے چھوٹے اکاؤنٹس کے ذریعے ہوتا ہے جن کے لئے ابتدائی فنڈ بینک فراہم کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ غریب کی مدد کرتے ہیں اور اسے خاطر خواہ آلات سے لیس کردیتے ہیں تو وقت کے ساتھ آپ کو اس کا فائدہ ضرور دیکھنے کو ملے گا۔ جدت جہاں تک غریب حامی ہے یہ اپنا کردار ادا کرے گی اور کرنا چاہئے۔

مکرر ارشاد

"... معاونت کے ایسے پروگراموں کی ضرورت ہے جن میں پائیدار ذرائع معاش، صنف کو مرکزی دھارے میں لانے، شائستہ کام اور مارکیٹ کے تقاضوں کے مطابق پیشہ ورانہ تربیت جیسے پروگرام شامل ہیں۔"

ڈاکٹر احسان اللہ خان

صدر، یو این گلوبل کامپیکٹ پاکستان نیٹ ورک (یو این جی سی پی)
چیئرمین، ورکرز ایمپلائیرز بائلیٹرل کونسل آف پاکستان (ڈبلیو ای بی سی او پی)

آپ کی رائے میں کیا پاکستان ترقی کی راہ میں درپیش مشکلات دور کرنے کے لئے خاطر خواہ وسائل مختص کر رہا ہے؟ مختص کئے جانے والے وسائل سے ترقی کے ثمرات میں کس طرح بہتری آ رہی ہے؟

پاکستان میں سرکاری پالیسی کے کچھ بڑے نقائص یہ ہیں کہ صنعت وتجارت کی ترقیاتی ترجیحات زیادہ تر غلط تصورات پر مبنی ہیں، کمیاب مالی وسائل کی تخصیص میں ان کا بھرپور استعمال نہیں ہو پاتا اور اخراجات غلط رخ میں کئے جاتے ہیں۔ یہ عمومی رجحان بھلے افسوس ناک ہے لیکن یکے بعد دیگرے برسراقتدار آنے والی سبھی حکومتوں میں نظر آتا ہے جس سے موجودہ حکومت بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ دیرپا اثر رکھنے والے ترقیاتی منصوبوں کی اشد ضرورت ہے مثلاً تعلیم کے معیار سے متعلق پہلو، مارکیٹ کے تقاضوں کے مطابق پیشہ ورانہ تربیت اور اس کی تعداد و مقدار سے متعلق پہلو، یونیورسل پرائمری تعلیم کے ساتھ ساتھ رسائی یقینی بنانا صحت، غذائیت اور سینی ٹیشن، ضعیف العمری کی نگہداشت اور پائیدار ذرائع معاش، ایسے چند شعبوں میں شامل ہیں جن پر زیادہ تر کام محض 'بناوٹی' نظر آتا ہے۔ نمایاں طور پر نظر آنے والے منصوبوں کی خواہش میں ہم پائیدار ترقی کے ان ناگزیر پہلوؤں کو زیادہ تر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میٹرو بسیں، اورنج ٹرین وغیرہ، جن پر اربوں روپے لگ جاتے ہیں اور جن کے لئے سب سڈی کی ضرورت بھی پڑتی ہے یا پھر ہوشربا لاگت والے منصوبے مثلاً ایسے انرجی مکس کے تحت بجلی کی پیداوار جس کی کارکردگی بھرپور نہیں ہے، یہ سب ناقص سوچ پر مبنی ترقیاتی ترجیحات کی نشاندہی کرتے ہیں جس سے قرضے بڑھ جاتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خطرات میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ترقیاتی ترجیحات بھی بدل جاتی ہیں جو ان کے سیاسی مفاد کے مطابق لیکن اصل ضروریات کے منافی ہوتی ہیں۔

حالات کچھ بھی ہوں، ترقی کے ثمرات کے اعتبار سے یہ "مستقل" رجحان خواندگی، روزگار، زرعی پیداوار اور صنعت پر گہرے اثرات مرتب کر رہا ہے۔ یہ تمام باتیں اپنی جگہ، لیکن ہم سرکاری پالیسی میں اس تسلسل سے بھی آگاہ ہیں جس کے تحت سٹریٹجک محل وقوع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے 'رابطوں' کی استعداد کو بروئے کار لانے پر زور دیا جا رہا ہے۔ مختلف منصوبوں سے بے پناہ ثمرات کی امیدیں وابستہ ہیں جن میں چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کے تحت بجلی پیدا کرنے کے مختلف منصوبے، موٹر ویز، ریلوے ٹریک کو دورویہ اور بہتر بنانا اور گوادر بندرگاہ کی ترقی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علاقائی رابطوں کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ آگے اور پیچھے کی جانب روابط بھی قابل ذکر دکھائی دیتے ہیں۔

اقتصادی تعاون کونسل (ای سی او) جس کا اجلاس یکم مارچ کو منعقد ہوا، نے بھی رابطے بڑھانے اور اس کے پیش نظر بنیادی ڈھانچے بالخصوص سڑکوں اور مواصلات کے کردار پر بہت زیادہ زور دیا۔ اجلاس میں وژن 2025 پر بروقت عملدرآمد پر اتفاق بھی کونسل کے رکن ممالک کے عوام کے لئے نمایاں ترقی، روزگار اور آمدنی کے ثمرات کی وعید ہے۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے پاکستان کی اصل مشکلات کیا ہیں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے درکار وسائل کی کمی دور کرنے کے لئے پاکستان کس قدر تیار ہے؟

وسائل کی کمی اس ملک کا دائمی مسئلہ ہے جہاں بچتیں سرمایہ کاری کے اعتبار سے (کہیں) پیچھے ہیں۔ بے جا مالی تصرف اور بدنظمی کے ہاتھوں یہ صورتحال مزید بگڑ جاتی ہے۔ اس سے صرف اور صرف مالی نظم وضبط پیدا کرنے اور بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی طے شدہ شرائط پوری کرنے کے لئے کی گئی سالوں کی محنت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ معاشی مینجمنٹ کی ہماری تاریخ میں شاذ و نادر ہی ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے استحکام اور ڈھانچہ جاتی اصلاحاتی پروگراموں کا سلسلہ جاری رکھ پائیں اور اس میں تعطل صرف اور صرف ملک کی بدنامی کا باعث بنتا ہے۔ آئی ایم ایف پروگرام کی حالیہ تکمیل بلاشبہ چند استثنائی مثالوں میں سے ایک ہے۔

تاہم خاطر خواہ ریونیو وسائل پیدا کرنے میں ناکامی، جو موجودہ حکومت کا بھی مقدر بنی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ایسی سرگرمیاں جن میں سیاسی پہلو معقول اور جائز معاشی سوچ پر حاوی آجاتے ہیں، ملک کو درپیش خطرات میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں۔ پاکستان تاحال اس قابل بھی نہیں ہو پایا کہ نہ صرف جی ڈی پی میں ریونیو کے تناسب کو بلکہ ریونیوز میں بلاواسطہ ٹیکسوں کے تناسب کو بھی موزوں سطح پر لا سکے۔ ایسے حالات میں بالواسطہ ٹیکسوں سے اگرچہ کچھ ریلیف مل جاتی ہے لیکن یہ عوام کے ساتھ ساتھ ملک کی مالی صحت پر بھی منفی اثر دکھاتے ہیں۔

بڑھتا ہوا مالی خلاء اور کم ہوتے زرمبادلہ کے ریونیوز کی اس صورتحال میں اکثر مالی شعبے کے منتظمین قلیل مدت کے 'بانڈ' کی مارکیٹوں کا رخ کرتے ہیں جس میں پیشکش ہمیشہ 'لائبر' (LIBOR) سے نمایاں حد تک زیادہ ہوتی ہے[1]۔ غیر ملکی کرنسی میں آنے والے یہ بانڈ عارضی طور پر مالی مشکلات کم کر دیتے ہیں لیکن بہرحال معیشت کو درپیش خطرات میں مزید اضافہ کر دیتے ہیں۔

سی پیک پراجیکٹ کے سلسلے میں غیر ملکی (زیادہ تر چینی) سرمایہ ملک میں لانے کی حالیہ کوششوں پر بھی ہماری کاروباری برادری میں کہا جا رہا ہے کہ اس میں منافع اور اصل زر کی واپسی سے متعلق سنگین مسائل ہیں۔

ملکی کارخانہ سازی جو ریونیو، آمدنی اور روزگار پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، متعدد عوامل کی بناء پر مفلوج ہو رہی ہے جن میں توانائی کی قلت، امن وامان کی صورتحال کے ساتھ ساتھ درآمدی اشیاء کا پست معیار اور ان کی یلغار جیسے عوامل شامل ہیں۔

بینکاری اور مالیاتی ادارے جو نجی شعبے کے لئے سرمائے کا ذریعہ ہیں، کریڈٹ کی حکومتی مانگ کو پورا کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے نجی شعبہ ان کی ترجیحات سے نکل رہا ہے۔

قصہ مختصر، ٹیکس ریونیوز پیدا کرنے، جی ڈی پی میں ٹیکسوں کا تناسب بڑھانے اور قرض واجبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مالی نظم وضبط پیدا کرنے میں پے در پے ناکامیوں اور سکیورٹی سے متعلق اخراجات (بشمول دفاع) جن پر مجموعی حکومتی آمدنی کا تقریباً ساٹھ فیصد صرف ہو رہا ہے، کے بعد مالی امور کے منتظمین کے پاس برائے نام گنجائش رہ جاتی ہے۔ مجموعی نتیجہ اگرچہ پریشان کن ہے، لیکن یہی ہے کہ ہم وسائل کی کمی کو دور کرنے کے لئے پوری طرح تیار نہیں ہیں۔

ترقی پر سرمایہ کاری کے لئے نئے اور اضافی غیر حکومتی ریونیو ذرائع کے حوالے سے آپ کے نزدیک بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ ترقی پر سرمایہ لگانے کے لئے نجی شعبے کے کردار کو کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے؟

پاکستان میں انفرادی سطح پر خیراتی رقوم کی مالیت 2015 میں تقریباً 240 ارب روپے تھی [2]۔ یہاں اس امر کی نشاندہی کرنا بھی ضروری ہے کہ افراد کی طرف سے خیرات کے طور پر معروف این جی اوز مثلاً ایدھی فاؤنڈیشن، شوکت خانم وغیرہ کو یا براہ راست ضرورت مند افراد کو دی جانے والی اس اندازاً رقم میں اگر آپ کارپوریٹ یا نجی شعبے کی فلاحی سرگرمیوں کو بھی شامل کر لیں تو یقیناً یہ نمایاں حد تک بڑھ جائے گی۔ یہ وہ شعبہ ہے جسے بین الاقوامی ترقیاتی پارٹنرز کو ترقیاتی پروگراموں پر اپنے اپنے وعدوں اور ادائیگیوں میں خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہاں اس امر کی نشاندہی بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہاں کسی 'شرائط' کے نفاذ یا 'پیشگی' اقدام کی بات نہیں کر رہا۔ بہترین مروجہ طریقوں کی ترغیب اور تقلید اس ضمن میں سب سے موزوں ہو سکتی ہے۔ معاونت کے ایسے پروگراموں کی ضرورت ہے جن میں پائیدار ذرائع معاش، صنف کو مرکزی دھارے میں لانے، شائستہ کام اور مارکیٹ کے تقاضوں کے مطابق پیشہ ورانہ تربیت جیسے پروگرام شامل ہیں۔ ترقی کی اس سوچ کے تحت یقینی بنایا جائے کہ نجی شعبے سے جو بھی مدد مل سکتی ہے وہ حاصل کی جائے۔ نجی اور سرکاری شعبے کے درمیان قابل عمل اشتراک پیدا کیا جائے اور اسے مستحکم بنایا جائے تاکہ عمدہ طرز حکمرانی میں پختگی آئے جو ثمر آور، خوشحال اور پر امن پاکستان کو حقیقت کا روپ دے۔

نوجوانوں کی آواز

فاطمہ حبیب

ریسرچ ایسوسی ایٹ
کنسورشیم فار ڈویلپمنٹ پالیسی ریسرچ (سی ڈی پی آر)

سرمائے کا جدت آمیز استعمال خاطر خواہ کردار ادا کرسکتا ہے۔مثال کے طور پر سرکاری اور نجی شعبے کے اشتراک عمل میں اس سوچ کو اپنایا جائے تو مہارت اور احتساب میں بہتری اور خدمات کی بروقت فراہمی ممکن ہو سکتی ہے۔ سرکاری اور نجی شعبے کے اشتراک سے سرمائے کے جدت آمیز استعمال کی ایک مثال بینک آف پنجاب اور موبائل فون خدمات فراہم کرنے والے ادارے زونگ کے درمیان اشتراک عمل ہے جس کے تحت اخراجات میں بچت اور دور افتادہ دیہی علاقوں میں مقیم افراد کو رسائی فراہم کرنے کے لئے ''برانچ لیس بینکنگ''(Branchless Banking) کا آغاز کیا گیا ہے۔اس اشتراک عمل کی بدولت ترقی کے میدان میں نتیجہ خیز کارکردگی اس بات کی مثال ہے کہ سرمائے کا جدت آمیز استعمال طویل مدتی بنیاد پر پائیدار ثابت ہوسکتا ہے۔

محمد کریم

ریسرچ ایسوسی ایٹ
سنٹر فار اکنامک ریسرچ ان پاکستان (سی ای آر پی)

پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد کی تکمیل کی کوئی امید تبھی ممکن ہے کہ ہم ان مقاصد کے لئے اضافی، دیرپا، اثرات پر مبنی فنڈز پیدا کریں جو انہی کے لئے مخصوص ہوں۔خوش قسمتی سے فضائی کمپنیوں پر'سالیڈیریٹی ٹیکس' جیسے خیالات اور مارکیٹ کے لئے'ایڈوانس' طرز کے وعدے بڑھ رہے ہیں اور یہ سب ایک ایسے وقت پر ہو رہا ہے جب روایتی سرکاری ترقیاتی امداد دن بہ دن کم ہو رہی ہے۔عطیہ دینے والے ممالک پر کم انحصار اور ایسے عمدہ فنڈز کی پیداوار جن کی پیش بینی ممکن ہو،طویل مدتی بنیاد پر اس کی پائیداری کو یقینی بناتے ہیں۔

زارا سلمان

سینئر ریسرچ ایسوسی ایٹ
کنسورشیم آف ڈویلپمنٹ پالیسی ریسرچ (سی ڈی پی آر)

ٹیکنالوجی کے زور پر چلنے والی آج کی اس دنیا میں نجی شعبہ زیادہ باخبر ہے اور ان شعبوں میں زیادہ فعال طریقے سے سرگرم ہے جو روایتی طور پر سرکاری شعبے کے دائرہ کار میں سمجھے جاتے تھے۔لہٰذا سرمایہ کاری کے ان نئے طریقوں کی بدولت سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان خلاء دور ہو رہا ہے اور یہ ترقی کے مقاصد کی تکمیل میں زیادہ فعال اور کلیدی کردار ادا کرسکتا ہے۔لیکن یہ تبھی ممکن ہے کہ ان طریقوں کو آگے بڑھانے کے لئے ریگولیٹری فریم ورکس میں وقت کے ساتھ اسی طرح بہتری آئے جس طرح آنی چاہیئے۔ بصورت دیگر معاشرے کے وہ غیر محفوظ طبقات جنہیں سرمایہ کے اس جدت آمیز استعمال کے ذریعے تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، ایسی صورتحال کا شکار ہو سکتے ہیں جس میں آپ کل کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔لہٰذا یہ طریقے طویل مدتی بنیاد پر دیرپا نہیں رہیں گے۔

نوجوانوں کی آواز

فزاء رضا

ریسرچ ایسوسی ایٹ
انسٹی ٹیوٹ آف ڈوویلپمنٹ اینڈ اکنامک آلٹرنیٹوز (آئیڈیاز)

سرمائے کا جدت آمیز استعمال اس فرق کو دور کرتا ہے جو سرمایہ کے روایتی ذرائع اور شعبہ ترقی کی بڑھتی مالی ضروریات کے درمیان پایا جاتا ہے۔ سرمائے کے جدت آمیز استعمال سے ترقی کے میدان میں طویل مدتی بنیاد پر نتائج حاصل کرنے کے لئے یہ امر ناگزیر ہے کہ متعلقہ ملک اپنے وسائل کا مالک خود ہو۔ اس کے علاوہ مقامی استعداد کو بھی مستحکم بنانا ضروری ہے تاکہ سرمائے کے جدت آمیز استعمال سے ترقی کے میدان میں حاصل کئے گئے نتائج کو طویل مدتی بنیاد پر دیرپا بنایا جا سکے۔ مختصراً، سرمائے کا جدت آمیز استعمال بلاشبہ ترقی پذیر ملکوں کے لئے زمین تو ہموار کر سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہوگا کہ مقامی ٹیکنالوجیز کو بہتر بنایا جائے اور استعداد میں بہتری اور مقامی اداروں کے استحکام پر بھی کام کیا جائے۔

شاہان شاہد

ریسرچ اسسٹنٹ
سنٹر فار اکنامک ریسرچ ان پاکستان (سی ای آر پی)

کینیا میں 'ایم پیسہ' (اور اپنے ملک میں 'ایزی پیسہ' جیسی مصنوعات) کی وسیع مقبولیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرمایہ لگانے کے غیر روایتی طریقے ترقی پذیر دنیا کے لئے بھرپور استعداد رکھتے ہیں۔ اس پر یہ ایک دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان طریقوں میں جس طرح آپ کسی پابندی کے بغیر خدمات سے استفادہ کر سکتے ہیں (یعنی عام بینکوں کی طرح دفتری اوقات کی پابندیوں سے آزاد) تو یہ خاصیت ان میں بنیادی طور پر پہلے سے موجود ہونی چاہیے۔ تاہم کم از کم پاکستان میں اعلیٰ نوعیت کی خصوصیات مثلاً یہ کہ آپ اشیائے ضروریہ خرید سکتے ہیں اور 'کراؤڈ فنڈنگ' کی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتے ہیں، ابھی ترقی کے عمل سے گزر رہی ہیں۔ لہٰذا ایزی پیسہ جیسی سہولیات جب ان حدوں سے آگے نکل جائیں گی کہ جب یہ محض رقم کی منتقلی کا ذریعہ نہ رہیں بلکہ ایک ہمہ گیر نظام کے طور پر کام کرنے لگیں گی جن سے آمدنی کا حصول بھی ممکن ہوگا تو تب جا کر ان جدت آمیز طریقوں کی اصل استعداد سامنے آ سکے گی۔

سحر کامران

ریسرچ اسسٹنٹ
انسٹی ٹیوٹ آف ڈوویلپمنٹ اینڈ اکنامک آلٹرنیٹوز (آئیڈیاز)

سوائے چند ایک کے، ترقی پذیر ممالک اپنے ان ترقیاتی منصوبوں کے فنڈز کے لئے بیرونی ذرائع اور بین الاقوامی امداد پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں جن کا مقصد جدت کو فروغ دینا، روزگار کے مواقع پیدا کرنا اور تبدیلی آب وہوا سے نمٹنا ہے۔ ترقی کے لئے فنڈز پیدا کرنے کے عمل میں سرمائے کا جدت آمیز استعمال ترقی یافتہ ممالک تک ہی محدود رہا ہے جہاں چیک اینڈ بیلنس کا نظام باہمی اعتماد پر مبنی ایک ایسا نیٹ ورک قائم کر دیتا ہے جو ایک طرف سرمایہ کاروں کے خدشات دور کرتا ہے اور خدمات حاصل کرنے والوں کی مالی ضروریات پوری کرتا ہے تو دوسری جانب معاشرے کی طرف سے اٹھائے جانے والے خدشات کا ازالہ بھی کرتا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کو درپیش اصل چیلنج اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ سرمایہ کے جدت آمیز استعمال سے جمع ہونے والے وسائل کو شفاف اور عمدہ طریقے سے استعمال کیا جائے اور ان کی تخصیص واضح پالیسی مقاصد کے تحت مساویانہ انداز میں کی جائے۔ جدت آمیز لیکن پائیدار طریقوں سے ترقی کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہے کہ 'کراؤڈ فنڈنگ' (Crowd-Funding) اور مائیکروفنانس پروگرام قومی مالیاتی پالیسیوں سے جڑے ہوں، علاقائی اور مقامی سطح کے حکمران ادارے اور ٹیکنالوجی کی ترقی ان کے ساتھ ساتھ چل رہی ہو تاکہ خدمات کی فعال اور موثر فراہمی یقینی بنائی جا سکے اور معلومات کے پھیلاؤ میں اس طرح مدد ملے جو ترقیاتی پروگراموں کی کامیابی اور آگے بڑھنے کے لئے ناگزیر ہے۔

نوجوانوں کی آواز

مابا رحمان

سرمائے کے جدت آمیز استعمال کی بدولت مسائل کے انوکھے حل حقیقت کا روپ دھار رہے ہیں۔ مثال کے طور پر کراؤڈ فنڈنگ نے کئی ایسے نئے طریقوں کو جنم دیا ہے جن کے ذریعے آج دنیا کے بعض انتہائی ناگزیر مسائل سے نمٹا جارہا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ سرمایہ لگانے کا یہ طریقہ ان دونوں باتوں کے درمیان فرق کو دور کرتا ہے کہ سرکاری شعبہ کیا کچھ کرسکتا ہے اور سرکاری شعبہ کیا کچھ دیتا ہے۔ تاہم پائیداری کا انحصار ایک جامع مالیاتی ڈیزائن پر ہے جس کی تعمیر بہت سوچ سمجھ کر ہونی چاہیئے۔ اس طریقے کی بھرپور استعداد دنیا کے سامنے آنا ابھی باقی ہے۔

پراجیکٹ کوآرڈینیٹر
سنٹر فار اکنامک ریسرچ ان پاکستان (سی ای آر پی)

عتیق الرحمان

میری رائے میں سرمائے کا جدت آمیز استعمال ایک شاندار سوچ ہے کیونکہ اس طرز کے منصوبوں کا مقصد افراد اور اقوام کو خودکفیل بننے پر حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ اس طرح کی سکیمیں ایک شاندار نقطہ آغاز فراہم کردیتی ہیں اور اس عمل کو آگے بڑھا کر ٹھوس بنیادیں استوار کی جاسکتی ہیں۔ ترقی کے لئے سرمائے کا جدت آمیز استعمال تبھی دیرپا ہوگا کہ آپ ایک مختصر عرصے کے لئے اس پر انحصار کریں اور اس طرح اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہوجائیں اور پھر طویل مدتی بنیاد پر اپنی آمدنی کا سامان خود کریں۔

پراجیکٹ کوآرڈینیٹر
انٹرنیشنل گروتھ سنٹر، پاکستان

راویل محی الدین

سرمایہ کے جدت آمیز استعمال کو سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان ایک 'پل' کے طور پر لیا جاسکتا ہے، خاص طور پر فراہمی تعلیم کے معاملے میں جو میری مہارت کا شعبہ بھی ہے۔ چاہے بات پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سکول کی ہو جو سرکاری فنڈز سے نجی شعبے کے زیرانتظام چل رہا ہے یا تعمیر مائیکروفنانس بینک کی جو کم لاگت والے نجی سکولوں کی ضروریات کے مطابق قرضے فراہم کررہا ہے، سرمائے کے جدت آمیز استعمال نے پاکستان کے تعلیمی منظرنامے پر مثبت اثرات دکھائے ہیں۔ ترقی کے میدان میں سرمائے کے جدت آمیز استعمال سے جو کچھ کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں انہیں آگے بڑھانے کا سلسلہ جاری رکھنا ضروری ہے۔ اس میں سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان زیادہ اور بہتر سوچ بچار پر مبنی تعاون بھی شامل ہے جو پرانے مسائل کے نئے حل تلاش کرنے کے لئے جاری رہنا چاہیئے۔

پروگرام مینجر
سنٹر فار اکنامک ریسرچ ان پاکستان (سی ای آر پی)

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان